اسلام میں
ارتداد کی سزا کی حقیقت

خطاب سیدنا حضرت مرزا طاہر احمد

خلیفة المسیح الرابع رحمہ اللّٰہ تعالیٰ

امام جماعت احمدیہ عالمگیر

بر موقع

جلسہ سالانہ یو۔کے بمقام اسلام آباد، ٹلفورڈ، برطانیہ

۲۷ جولائی ۱۹۸۶ء

فہرست مضامین

مضمون	صفحہ

مضمون	صفحہ

مضمون	صفحہ

مضمون	صفحہ

مضمون	صفحہ

مضمون	صفحہ

مقدمہ

آغاز اسلام سے لے کر آج تک اسلام اور عالم اسلام کو دشمنوں سے اتنا نقصان نہیں پہنچا جتنا خود بعض سادہ لوح مسلمان علماء کے ہاتھوں پہنچا ہے۔ بلکہ حق یہ ہے کہ دشمنان اسلام نے بھی اکثر اوقات ان سادہ لوح علماء کے جاہلانہ فتووں کو ہی بنیاد بنا کر اسلام پر حملے کئے ہیں۔

علماء میں یہ غلط رجحان اس لئے پیدا ہوا کہ انہوں نے اپنے سیاسی اور تمدنی ماحول سے متاثر ہو کر اسلام کے بعض احکامات کی ایسی تشریحات کو جو سیاسی رنگ لئے ہوئے تھیں ترجیح دی اور قرآن کریم کی واضح تعلیمات اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو پس پشت ڈال دیا۔

''قتل مرتد'' کا عقیدہ بھی ان غلط رجحانات اور بے بنیاد نظریات میں سے ایک ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس خوفناک عقیدہ کی کوئی بنیاد نہ تو قرآن کریم میں ہے اور نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت طیبہ میں، بلکہ یہ محض ایک سیاسی نظریہ تھا جسے عباسی خلفاء اور دوسرے حکام نے اپنے سیاسی مقاصد کے حصول کے لئے بعض متعصب علماء کی مدد سے اختراع کیا یہاں تک کہ اس دور کے دوسرے غیر متعصب علماء بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ اور بدقسمتی سے بعد میں آنے والے علماء کی اکثریت نے، جو انہی سابقہ علماء کے مکاتب فکر کے زیر سایہ پروان چڑھی تھی، اس نہایت خطرناک غیر اسلامی نظریہ کو بغیر کسی تحقیق اور تنقید کے قبول کر لیا۔

اس ناپاک عقیدہ کے نہایت خوفناک نتائج نکلے۔ یہاں تک کہ علماء اسلام کو محض معمولی اختلافات پر خود علماء اسلام نے مرتد قرار دیا اور حکام اور صاحب نفوذ علماء نے اس ہتھیار کو اپنے مخالفین کے خلاف خوب خوب استعمال کیا۔ تاریخ اسلام کے یہ نہایت دردناک ابواب سپین میں عیسائی حکومتوں کی یاد دلاتے ہیں جب اسی قسم کے نظریات کے قائل عیسائیوں نے خود اپنے عیسائی بھائیوں کو معمولی اختلافات پر نہایت وحشت ناک سزائیں دیں۔

حضرت امام جماعت احمدیہ نے اس تاریک دور کے واقعات کی تفصیل میں جانے کی بجائے اس ناپاک اور فاسد عقیدہ کا ہر پہلو سے تجزیہ کیا ہے اور قرآن کریم، سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کے زمانہ کے تاریخی واقعات کی روشنی میں اس عقیدہ کا جھوٹا ہونا ثابت کیا ہے اور بتایا ہے کہ اسلام کے نہایت حسین چہرے کو داغدار کرنے کی ناپاک کوشش اس بھیانک نظریے کے ذریعہ کی گئی۔ چنانچہ یہ فاسد نظریہ ہی وہ سب سے خطرناک ہتھیار تھا جسے دشمنان اسلام نے سب سے بڑھ کر اسلام کے خلاف استعمال کیا۔

ان حقائق پر مشتمل یہ عظیم خطاب حضرت امام جماعت احمدیہ مرزا طاہر احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے جلسہ سالانہ برطانیہ کے موقع پر بتاریخ ۲۷ رجولائی ۱۹۸۶ء بمقام اسلام آباد ٹلفورڈ سرے ارشاد فرمایا۔ امید ہے یہ خطاب غیر متعصب محققین کو اسلام کی صحیح اور پاک تعلیمات کو بہتر رنگ میں سمجھنے میں مدد دے گا اور اسلام کے دفاع کے لئے، خصوصاً اس میدان میں، ان کے اندر نئی روح پھونک دے گا۔ انشاء اللہ العزیز۔

یاد رہے کہ اس خطاب کو کتابی صورت میں ڈھالتے وقت حضور انور رحمہ اللہ تعالیٰ نے بعض مناسب ترامیم اور مفید اضافے فرمائے تھے۔

الناشر

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ. اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ.

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۱﴾

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲﴾ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۳﴾ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۴﴾ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ﴿۵﴾ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۶﴾ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ﴿۷﴾ (الفاتحة:۱تا۷)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِى اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗۤ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۫ يُجَاهِدُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَاۤئِمٍ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۵﴾

(المآئدة:۵۵)

عالم اسلام اس دور آخرین میں شدید قسم کے خطرات میں گھرا ہوا ہے اور اسلام دشمن طاقتیں خواہ وہ مشرق سے تعلق رکھتی ہوں یا مغرب سے تعلق رکھتی ہوں، نئے نئے حربوں سے اسلام پر حملہ آور ہو رہی ہیں۔ اور سب سے بڑی دردناک حقیقت یہ ہے کہ آج اسلام پر حملہ کے لئے اسلام ہی کے ہتھیار استعمال کئے جا رہے ہیں اور عالم اسلام پر حملہ اسلام ہی کے نام پر کیا جا رہا ہے۔ آج آپ جب

ایک عمومی نظر عالم اسلام پر ڈالتے ہیں تو یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ اسلام کے مخالفین سے تلوار کا جہاد حلال قرار دینے والے اور اسلام کے مخالفین کو بزور شمشیر مفتوح اور مغلوب کرنے والے مسلسل ایک دوسرے کا گلا کاٹ رہے ہیں اور عالم اسلام کی تلوار عالم اسلام ہی کے خلاف اٹھ رہی ہے اور عالم اسلام کے خنجر عالم اسلام ہی کے سینوں میں گھونپے جا رہے ہیں۔ خواہ ایران اور عراق کا اختلاف ہو یا فلسطین کے مجاہدین کے دو گروہوں کا یا شام اور اردن کا اختلاف ہو یا لیبیا یا مصر کا اختلاف، کسی پہلو سے بھی عالم اسلام پر نظر ڈالیں تو آج اسلام کی طاقتیں عالم اسلام ہی کے خلاف ایک دوسرے سے نبرد آزما ہیں۔ اور عجیب بات ہے کہ آج اسلام دو متحارب کیمپوں میں اس طرح بٹا ہوا ہے کہ اسلام کے بعض ممالک قرآن اور سنت کی تعلیم پیش کرتے ہوئے یہ اعلان کرتے ہیں کہ اسلام کا رنگ سرخ ہے اور اسلام اور اشتراکیت میں سوائے نام کے عملاً کوئی مابہ الامتیاز نہیں۔ ہاں ایک فرق ہے کہ خدا کو اشتراکیت میں ڈال دو یا اسلام سے خدا کو نکال دو، دونوں صورتوں میں یہ دونوں نظریۂ حیات بالکل ایک سے دکھائی دیں گے۔ اور دوسری طرف اسلام ہی کے نام پر مغربی استعماریت کی پرزور نمائندگی کی جارہی ہے۔ گویا اسلام دنیا میں کیپٹلزم کو تقویت دینے کے لئے آیا تھا اور اس کے سوا اسلام کا اور کوئی مقصد نہیں تھا۔

عالم اسلام کے خلاف خوفناک سازش

حال ہی میں اس ضمن میں مغربی استعمار کے زیر اثر مسلمان قوموں میں بعض ایسے نظریات کو عمداً ایک منصوبے کے تحت فروغ دیا جا رہا ہے جس کے نتیجہ میں یہ جنگ ملکوں ملکوں کی جنگ نہیں رہے گی بلکہ ہر مسلمان ملک کے اندر ایک خانہ جنگی کی صورت اختیار کر جائے گی۔ ان حربوں میں سے سب سے بڑا حربہ قتل مرتد کا عقیدہ ہے اور وہ تمام اسلامی ممالک جو بالخصوص امریکہ کے زیر نگیں ہیں اور امریکہ کی حمایت علی الاعلان کرتے ہیں اور اس کی سرپرستی میں اپنے نظام حیات کو تشکیل دے رہے ہیں، ان ممالک میں یہ نظریہ بڑی شدت کے ساتھ اٹھایا جا رہا ہے اور اس پر وسیع پیمانے پر عمل درآمد کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ اس لئے میں نے آج ضروری سمجھا کہ قتل مرتد کے موضوع پر اسلام کی سچی، حقیقی اور دائمی اور انتہائی حسین تعلیم آپ کے سامنے رکھوں تا کہ جہاں تک آپ کا بس چلے اس انتہائی کریہہ اور خوفناک سازش کا اپنے اپنے دائرہ اختیار میں اور اپنی اپنی حدود میں مقابلہ کریں۔

مسلمان اور مرتد کی تعریف

''قتل مرتد'' کے عقیدہ پر تفصیلی بحث سے پہلے یہ ضروری ہے کہ دو بنیادی اصطلاحوں کی تعریف کی جائے، مسلمان کون ہے؟ اور مرتد کسے کہتے ہیں اور مرتد کیسے بنتا ہے؟

اس پہلو سے جب میں نے نظر دوڑائی تو مجھے اس عدالت کی کارروائی کا خیال آیا جو جسٹس منیر اور جسٹس کیانی کی قیادت میں ۱۹۵۳ء میں پاکستان میں ہونے والے فسادات کی چھان بین کے لئے مقرر کی گئی تھی۔ ان دونوں فاضل ججوں نے نہایت گہری چھان بین کی اور تمام فرقوں کے علماء بلکہ ہر فرقے کے کئی کئی علماء کو کھلی دعوت دی اور ان سے مدد کی درخواست کی کہ ہم ان دو مسائل کو سمجھنا چاہتے ہیں، اس لئے آپ ہمیں بتائیں کہ اسلام کی تعریف کیا ہے؟ مسلمان کس کو کہتے ہیں؟

ان فاضل ججوں نے یہ بات خوب کھول دی کہ جب تک پہلے مسلمان کی تعریف متعین نہ ہو، اگلا قدم اٹھایا جا ہی نہیں سکتا۔ یہ بحث بالکل لاتعلق ہو جاتی ہے کہ مرتد کی سزا کیا ہے۔ پہلے مسلمان کی تعریف ہو پھر یہ فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ کوئی شخص اسلام کو چھوڑ بھی رہا ہے یا نہیں چھوڑ رہا۔

چنانچہ بہت گہری چھان بین اور بہت تفصیلی گفت وشنید کے بعد فاضل جج جس نتیجہ پر پہنچے وہ میں انہیں کے الفاظ میں آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ وہ لکھتے ہیں:۔

''یہ مسئلہ بنیادی طور پر اہم ہے کہ فلاں شخص مسلم ہے یا غیر مسلم۔ اور یہی وجہ ہے کہ ہم نے اکثر ممتاز علماء سے یہ سوال کیا ہے کہ وہ ''مسلم'' کی تعریف

کریں۔ اس میں نکتہ یہ ہے کہ اگر مختلف فرقوں کے علماء احمدیوں کو کافر سمجھتے ہیں تو ان کے ذہن میں نہ صرف اس فیصلے کی وجوہ بالکل روشن ہوں گی بلکہ وہ ''مسلم'' کی تعریف بھی قطعی طور پر کرسکیں گے۔ کیونکہ اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ فلاں شخص یا جماعت دائرۂ اسلام سے خارج ہے تو اس سے لازم آتا ہے کہ دعویٰ کرنے والے کے ذہن میں اس امر کا واضح تصور موجود ہو کہ ''مسلم'' کس کو کہتے ہیں۔

تحقیقات کے اس حصے کا نتیجہ بالکل اطمینان بخش نہیں نکلا۔ اور اگر ایسے سادہ معاملے کے متعلق بھی ہمارے علماء کے دماغوں میں اس قدر ژولیدگی موجود ہے تو آسانی سے تصور کیا جا سکتا ہے کہ زیادہ پیچیدہ معاملات کے متعلق ان کے اختلافات کا کیا حال ہوگا''۔

(مسٹر جسٹس محمد منیر و مسٹر جسٹس ایم۔ آر۔ کیانی، رپورٹ تحقیقاتی عدالت برائے تحقیقات فسادات پنجاب ۱۹۵۳ء لاہور، انصاف پریس، صفحہ: ۲۳۱۔۲۳۲)

علماء کا مسلمان کی تعریف پر اختلاف

پھر علماء کی طرف سے پیش کردہ متعدد تعریفوں کو نمونہ درج کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔:

''ان متعدد تعریفوں کو جو علماء نے پیش کی ہیں پیش نظر رکھ کر کیا ہماری طرف سے کسی تبصرے کی ضرورت ہے؟ بجز اس کے کہ دین کے کوئی دو عالم بھی اس بنیادی امر پر متفق نہیں ہیں۔ اگر ہم اپنی طرف سے ''مسلم'' کی کوئی تعریف کر دیں، جیسے ہر عالم دین نے کی ہے، اور وہ تعریف ان تعریفوں

سے مختلف ہو جو دوسروں نے پیش کی ہیں تو ہم کو متفقہ طور پر دائرۂ اسلام سے خارج قرار دیا جائیگا۔ اور اگر ہم علماء میں سے کسی ایک کی تعریف کو اختیار کر لیں تو ہم اس عالم کے نزدیک تو مسلمان رہیں گے لیکن دوسرے تمام علماء کی تعریف کی رو سے کافر ہو جائیں گے۔

(رپورٹ تحقیقاتی عدالت برائے تحقیقات فسادات پنجاب ۱۹۵۳ء لاہور۔ صفحہ ۲۳۵۔۲۳۶)

یہ محض نمونۃً میں نے دو اقتباسات پیش کئے ہیں۔ ان فاضل ججوں نے بہت تفصیلی بحث چھیڑی ہے۔ جس کو دلچسپی ہو اصل کتاب (تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ) سے مطالعہ کرسکتا ہے۔

مسلمان کی تعریف ۔۔۔ رسول خدا ﷺ کی زبانی

اب میں آپ کو وہ تعریف بتاتا ہوں جو حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود فرمائی، اور وہ دو تین مختلف طریقوں سے بیان فرمائی۔ کیسے ممکن ہے کہ علماء کے ذہن میں یہ تعریفیں موجود نہ ہوں؟ کیوں ان کا ذہن ان سادہ اور نہایت ہی روشن تعریفوں کی طرف منتقل نہیں ہوا؟ محض اس لئے کہ ان تعریفوں کی رو سے کسی صورت بھی جماعت احمدیہ کو کافر قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اس لئے ظلم اور بددیانتی کی حد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی واضح تعریفوں کو چھوڑ کر محض جماعت احمدیہ کی دشمنی میں اپنی طرف سے تعریف گھڑنے کی کوشش کی گئی اور اس میں وہ بری طرح ناکام رہے۔

تعریف نبوی۔اول

سب سے عمومی تعریف جو حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے ہمیں ملی ہے اور جس میں سب سے زیادہ وسعت ہے اور جس کی رو سے کوئی مسلمان کہلانے والا کسی دوسرے مسلمان کو مرتد قرار دے ہی نہیں سکتا، جب تک وہ خود اعلان کر کے اسلام سے باہر نہ نکلے، وہ یہ ہے

قَالَ النَّبِیُّ ﷺ: اُکْتُبُوْا لِیْ مَنْ تَلَفَّظَ بِالْاِسْلَامِ مِنَ النَّاسِ

(صحیح بخاری، کتاب الجھاد، باب کتابۃ الامام الناس و صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب جواز الاستسرار بالایمان للخائف۔ باختلاف الفاظ)

یہ حدیث اس موقع سے تعلق رکھتی ہے جب مدینے میں حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مردم شماری کروائی۔ اور چونکہ مردم شماری کا معاملہ سب سے زیادہ عموم رکھتا ہے اس لئے سب سے زیادہ عمومی تعریف آپ نے اس موقع پر فرمائی۔ فرمایا:

''میرے لئے مسلمانوں کی مردم شماری کے لئے (یعنی اس میں یہ مفہوم ہے) ہر اس شخص کا نام لکھ دو جو اپنے منہ سے مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔''

آپ نے کسی اور جھگڑے میں پڑنے کی اجازت ہی نہیں دی۔ کلمہ تک کا ذکر نہیں فرمایا بلکہ فرمایا کہ جہاں تک عمومی مردم شماری کا تعلق ہے، جہاں تک ملی سیاست کا تعلق ہے، صرف یہ تعریف کافی ہے کہ جو شخص اپنے آپ کو مسلمان کہے اس کا میرے لئے نام لکھ دو۔

''میرے لئے'' کا لفظ بہت ہی پیارا لفظ ہے، یعنی یہ تعریف مجھے قبول ہو گی،

ہزار دوسروں کو قبول ہو یا نہ ہو، مجھے اسکی کوئی فکر نہیں۔ میں (محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جو خدا کا رسول مقرر ہوا ہوں۔ میرے لئے یہی عمومی تعریف کافی ہے کہ کوئی شخص مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے

تعریف نبوی۔دوم

دوسری تعریف نسبتاً زیادہ دینی نوعیت کی ہے لیکن وہ بھی اتنی سادہ، اتنی صاف، اتنی حسین اور اتنی غیر مبہم ہے کہ اس تعریف کو سننے کے بعد بھی کسی قسم کے اختلاف کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔آپ نے فرمایا:۔

مَنْ صَلّٰی صَلَاتَنَا وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا وَ أَکَلَ ذَبِیْحَتَنَا فَذٰلِکَ الْمُسْلِمُ الَّذِی لَهٗ ذِمَّةُ اللّٰهِ وَ ذِمَّةُ رَسُوْلِهٖ فَلَا تُخْفِرُوا اللّٰهَ فِیْ ذِمَّتِهٖ۔ (صحیح بخاری. کتاب الصلوٰة. باب فضل استقبال القبلة)

کہ جو شخص ہماری طرح نماز پڑھے، ہمارے قبلے کو اپنا قبلہ قرار دے، ہمارا ذبیحہ کھائے، وہ مسلمان ہے ایسے شخص کی حفاظت کرنا خدا اور اس کے رسول کی ذمہ داری ہے۔ پس تم اے مسلمانو! خدا کے ذمے کو ہرگز نہ توڑنا۔

کتنی عظیم الشان، کتنی واضح اور کیسی حسین تعریف ہے! آج دیکھیں کہ پاکستان میں علماء کیسے اس تعریف کے بالکل برعکس تعریف بنانے کی جرأت کر رہے ہیں۔آج سینکڑوں احمدیوں کو اس بنا پر تکلیف دی گئی، قیدوں میں ڈالا گیا اور علماء نے ان کے قتل کے کھلے کھلے فتوے دیئے اور یہ اعلان کیا کہ چونکہ یہ ایسی حرکتیں کر رہے ہیں، اس لئے ہمارے ذمے سے نکل گئے ہیں۔ یہ ہماری طرح نماز پڑھتے ہیں، یہ ہمارے قبلے کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں اور یہ ہماری طرح کا ذبیحہ

کھاتے ہیں، جب تک احمدی ان تینوں چیزوں سے باز نہیں آئیں گے ہم ان کی حفاظت کا ذمہ نہیں لیں گے۔ جس دن یہ ان تینوں باتوں سے باز آ گئے، اسی دن یہ ہمارے ذمے میں داخل ہو جائیں گے[1]۔

کیا یہ وہ ذمہ ہے جس کا ذکر حضرت اقدس محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا؟ خدا اور رسول کے ذمے کے بالکل برعکس، ایک ایک شق سے اختلاف کرتے ہوئے انہوں نے اپنا ایک نیا ذمہ بنایا ہے۔ مسلم کی ایک نئی تعریف بنائی ہے۔ اور ان کا احمدیوں کی مساجد منہدم کرنے اور ان کا رخ خانہ کعبہ سے پھیر کر کسی اور طرف کرنے کا مطالبہ یہ بتاتا ہے کہ انہوں نے گویا ایک نیا قبلہ بنایا ہے، نئی عبادت کے گر بتائے ہیں۔ اور جہاں تک جماعت احمدیہ کا تعلق ہے، جماعت احمدیہ کو صرف اور صرف حضرت اقدس محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف کافی ہے اور خدا اور اس کے رسول کا ذمہ کافی ہے، کسی اور ملّاں کے ذمے کی ہمیں کوئی بھی پروا نہیں ہے۔

تعریف نبوی۔ سوم

اب غیر مسلموں کو قتل کرنے کا بہانہ ڈھونڈنے والوں کے لئے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک تعریف بیان فرمائی، جو اگرچہ تعریف تو نہیں بلکہ ایک واقعہ پر حضرت اقدس محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ردعمل ہے جو ایسی صورت میں ظاہر ہوتا ہے کہ جو ایک رنگ میں مسلمان کی تعریف بھی متعین کر دیتا ہے۔

عَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ ...... قَالَ بَعَثَنَا رَسُوْلُ اللّٰه صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَرِيَّةٍ فَصَبَّحْنَا الْحُرُقَاتِ مِنْ جُهَيْنَةَ فَاَدْرَكْتُ رَجُلًا فَقَالَ لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ فَطَعَنْتُهُ فَوَقَعَ فِيْ نَفْسِيْ مِنْ ذَالِكَ فَذَكَرْتُهُ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أَقَالَ: لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ قَتَلْتَهُ؟

---

[1] مقدمات کے تفصیلی اعداد و شمار کے لئے دیکھئے صفحہ ۱۴۲

قَالَ قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّمَا قَالَهَا خَوْفًا مِّنَ السِّلَاحِ قَالَ: اَفَلا شَقَقْتَ عَنْ قَلْبِهٖ حَتّٰی تَعْلَمَ أَقَالَهَا اَمْ لا، فَمَا زَالَ يُكَرِّرُهَا عَلَيَّ حَتّٰی تَمَنَّيْتُ اَنِّی اَسْلَمْتُ يَوْمَئِذٍ.

وَفِی رِوَايَةٍ، حَتّٰی تَمَنَّيْتُ اَنِی لَمْ اَكُنْ اَسْلَمْتُ قَبْلَ ذٰلِكَ الْيَوْمِ۔

وَ فِیْ رِوَايَةٍ ثَالِثَةٍ، قَالَ: فَكَيْفَ تَصْنَعُ بِلا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ اِذَا جَاءَ تْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اسْتَغْفِرْلِی قَالَ: فَكَيْفَ تَصْنَعُ بِلا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ اِذَا جَاءَ تْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟ فَقَالَ: فَجَعَلَ لَا يَزِيْدُهٗ عَلٰی اَنْ يَّقُوْلَ: كَيْفَ تَصْنَعُ بِلا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ اِذَا جَاءَ تْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟۔

(صحیح مسلم. کتاب الایمان باب تحریم قتل الکافر بعد ان قال ''لا الٰه الا اللّٰه'' حدیث نمبر ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰)

''حضرت اسامہ بن زیدؓ بیان فرماتے ہیں کہ ہم ایک سریہ پر گئے۔ جہینہ قبیلہ کے علاقہ ''حرقات'' پر صبح صبح حملہ آور ہوئے۔ مجھے ایک آدمی مل گیا۔ جب میں اس پر غالب آ گیا تو اس نے لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھ دیا (حدیث میں صرف لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰه پڑھنے کا ذکر ہے۔ محمد رسول اللہ بھی اس نے نہیں کہا) مگر میں نے تب بھی اسے قتل کر دیا۔ اس پر میرے دل میں کھٹکا پیدا ہوا اور میں نے مدینہ آ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سارا ماجرا عرض کیا۔ تو آپ نے فرمایا: اے اسامہ! کیا تو نے اسے لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰه پڑھنے کے باوجود قتل کر ڈالا؟ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! اس نے تو ہتھیاروں اور قتل کے خوف سے لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰه پڑھا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اَفَلا شَقَقْتَ عَنْ قَلْبِهٖ تو نے اس کا غلافوں میں چھپا ہوا دل کیوں نہ پڑھ لیا۔ کاش ایسا ہوتا تا کہ تجھے پتہ چل جاتا کہ اس نے خوف سے پڑھا تھا یا دل سے پڑھا تھا؟!

''پھر فرمایا: قیامت کے دن اس کے لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰه کے مقابلہ میں تیرے پاس کیا جواب ہوگا۔ میں نے عرض کی حضور آپ میرے لئے استغفار کیجئے مگر آپ ﷺ یہ فقرہ بار بار دھراتے رہے بار بار دھراتے رہے حتیٰ کہ مجھے خواہش ہوئی کہ کاش میں آج سے پہلے مسلمان ہی نہ ہوا ہوتا تا مجھے حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناراضگی کا یہ دن نہ دیکھنا پڑتا''

آج اس کے بھی بالکل برعکس تعریف کی جا رہی ہے۔ کیسے ممکن ہے کہ علماء کی نظر اس حدیث پر نہ ہو؟ آج کھلم کھلا علماء یہ اعلان کر رہے ہیں کہ اگر احمدی ''لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰه'' پڑھے گا تو وہ گردن زدنی ہے۔ اور ہم کسی قیمت پر یہ برداشت نہیں کر سکتے کہ کوئی احمدی ''لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰه'' پڑھے یا ''لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰه'' کا بیج اپنے سینے پر لگا کر پھرے۔ یہاں تک فتوے دیئے گئے کہ اگر ہم نے اب دیکھا کہ کوئی احمدی ''لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰه'' پڑھتا ہے تو ہم اس کے ناک اور کان کاٹ دیں گے۔ اور یہاں تک بھی فتوے دیئے گئے کہ ہر مسلمان پر ایسے احمدی کا قتل واجب ہو جاتا ہے جو ''لا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' پڑھتا ہے۔ اور دلیل وہ دی جس کو آقائے دو جہاں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ کے لئے رد فرما چکے ہیں۔ دلیل یہ دیتے ہیں کہ ہم یہ اس لئے کہتے ہیں کیونکہ ان کے دل میں ''لا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰه'' نہیں ہے صرف زبان پر جاری ہے۔

حیرت انگیز بات ہے۔ ایسی باغیانہ حرکت اس آقا کے خلاف جس کی غلامی کا دم بھرتے ہیں۔ کھلم کھلا بغاوت اور پھر اصرار اس بغاوت پر۔ اور اس بغاوت کے نتیجہ میں ظلم اور تعدی پر ایسا عمل درآمد ہے کہ حکومت کو مجبور کیا جا رہا ہے کہ وہ بھی علماء کے پیچھے چل کر ہر ایسے احمدی کے قتل عام کا اعلان کر دے جو لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کا اعلان کرتا ہے: یعنی خدا کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔

پس جہاں تک مسلمان کی تعریف کا تعلق ہے مجھے تو یہی تین تعریفیں نظر آئی ہیں اور یہی تین تعریفیں پسند ہیں اور ان کے سوا میں اور کسی تعریف کو قبول کرنے کیلئے تیار نہیں، کیونکہ یہ تعریفیں بانی اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریفیں ہیں۔

علماء کا عذر لنگ

ایک اور دلچسپ بات یہاں بیان کرنے کے لائق یہ ہے کہ تحقیقاتی عدالت کی اس رپورٹ پر کہ کوئی دو علماء بھی کسی ایک تعریف پر متفق نہیں ہو سکے، تبصرہ کرتے ہوئے بعد میں علماء نے یہ تنقید کی کہ دراصل ہمیں کافی وقت نہیں دیا گیا۔ ہم اس سوال کے جواب کے لئے تیار ہی نہیں تھے۔ اگر ہمیں پورا وقت مل جاتا تو پھر ایسی تعریف ضرور بنا لیتے جس پر ہمارا اتفاق ہو جاتا۔

(مرتضٰی احمد خان میکش درّانی ''محاسبہ'' یعنی عدالت تحقیقات فسادات پنجاب (۱۹۵۳ء) کی رپورٹ پر ایک جامع اور بلیغ تبصرہ۔ لاہور۔ روزنامہ نوائے وقت پاکستان صفحہ: ۳۸)

علماء کی اختراع کردہ تعریف

چنانچہ ایک لمبے عرصہ تک ان کو انتظار کرنا پڑا۔ ۵۳ء کی تحریک پر سالہا سال گزر گئے تو ۱۹۷۴ء میں جا کر علماء نے وہ تیاری کی اور وہ نئی تعریف، اسلام کی ایجاد کی جس کا بانئ اسلام اور قرآن وسنت سے کوئی بھی تعلق نہیں۔

اس تعریف میں ایک منفی پہلو داخل کیا گیا اور وہ منفی پہلو یہ تھا کہ مسلمان وہ ہے جو محض لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کا اقرار نہ کرے بلکہ

مرزا غلام احمد قادیانی کے کذب کا اقرار بھی کرے اور آپ کی نبوت کا کھلم کھلا انکار کرے۔ جب تک وہ اس تعریف کے مطابق مسلمان نہیں بنتا وہ مسلمان نہیں کہلا سکتا۔

(درخواست برائے رجسٹریشن۔ زیر دفعہ ۴ (ا) (الف) نیشنل رجسٹریشن ایکٹ۔ فارم الف شائع کردہ۔حکومت پاکستان ڈائریکٹوریٹ جنرل آف رجسٹریشن (وزارت داخلہ)

اس تعریف میں جو نیا دروازہ کھولا گیا ہے اس کے بہت سے بدنتائج نکلے بھی ہیں اور آئندہ بھی نکلیں گے۔لیکن بنیادی طور پر اس تعریف پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ تعریف تو زمانے سے آزاد ہوا کرتی ہے۔تعریف جغرافیائی قیود سے آزاد ہوا کرتی ہے۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ اسلام کی جو تعریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے پر اطلاق نہیں پا سکتی وہ آج درست تعریف کے طور پر قبول کر لی جائے۔ صرف وہی تعریف قابل قبول ہوگی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ پر اطلاق پائے اور پھر ہر زمانہ پر اطلاق پاتی چلی جائے۔ ایک لمحہ بھی ایسا نہ گزرے جس میں وہ تعریف ناکارہ ثابت ہو جائے۔اور صرف پاکستان ہی میں اس کا اطلاق نہ ہو بلکہ دنیا کے ہر ملک میں، مشرق کا ہو یا مغرب کا، شمال کا ہو یا جنوب کا، وہ تعریف بعینہٖ اسی طرح صادق آتی چلی جائے۔مگر یہ ایک عجیب تعریف ہے جس کا ۱۹۷۴ء سے پہلے اطلاق ہو ہی نہیں سکتا۔خود حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے پر بھی اطلاق نہیں ہوسکتا، کیونکہ بکثرت ایسے احمدی فوت ہو گئے جو اس تعریف کے بننے سے پہلے مسلمان کہلاتے ہوئے اس دنیا سے چلے گئے اور چونکہ یہ تعریف موجود نہیں تھی اور کسی کا تصور اس تعریف کی طرف نہیں گیا تھا اس لئے اس تعریف کی رو سے وہ مسلمان ہی تھے۔

اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پہلے کے مسلمانوں کا کیا کہو گے

کیونکہ انہوں نے تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا انکار نہیں کیا؟ ان کے لئے تو ''لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' ہی کافی تھا۔اس لئے جو تعریف پہلے زمانوں پر اطلاق نہیں پاسکتی، وہ اب بھی غلط ہے۔اب بھی اطلاق نہیں پاسکتی۔

اگر علماء یہ کہیں کہ اس وقت سامنے کوئی جھوٹا نبی تھا ہی نہیں اس لئے تعریف میں جھوٹے نبی کا ذکر آ نہیں سکتا تھا تو اس سے بڑا جھوٹ اور کوئی نہیں، کیونکہ سب سے پہلے اور سب سے یقینی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابل پر دعویٰ کرنیوالا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں پیدا ہوا یعنی مسیلمہ کذاب، اور اس دعویدار کی موجودگی میں نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام کی تعریف بدلی، نہ آپ کے خلفاء نے اسلام کی تعریف بدلی، نہ تبع تابعین نے اسلام کی تعریف بدلی، نہ بعد کی آنے والی نسلوں نے اسلام کی تعریف بدلی۔ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خیال نہیں آیا کہ جب تک اسلام کی تعریف میں اس جھوٹے نبی کا انکار نہ داخل کرلوں اس وقت تک مسلمان کی تعریف مکمل نہیں ہو گی؟ اس لئے لاؤ اب اپنا جواب۔! نظریں دوڑاؤ سارے عالم اسلام پر!! ایک دن کے لئے بھی اس ۷۴ء کے واقعہ سے پہلے ایسی تعریف چسپاں کر کے دکھاؤ کہ جب تک نعوذ باللہ مبینہ طور پر کسی جھوٹے نبی کا انکار تعریف میں داخل نہ ہو جائے اس وقت تک مسلمان، مسلمان بن ہی نہیں سکتا۔

مودودی صاحب کی اختراع کردہ تعریف

یہ تعریفیں اپنی جگہ۔مولانا مودودی نے ایک الگ تعریف پیش کی ہے۔اس تعریف کی تفصیل تو نہیں بتائی لیکن اس کا اطلاق کر کے دکھا دیا ہے۔میں اس کا نمونہ

بھی آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں تا آپ دیکھیں کہ اگر مولانا مودودی کی تعریف کی رو سے آج پاکستان کے مسلمانوں کے چہرے دیکھے جائیں تو ان پر مسلمان لکھا ہوا نظر آئے گا یا کافر لکھا ہوا نظر آئے گا؟ چونکہ موجودہ حکومت کا یہ دور مودودی نواز دور ہے اور مودودی اور وہابی طرز خیال کے علماء اس حکومت پر قبضہ کئے ہوئے ہیں، اس لئے یہ ضروری ہے کہ مودودی تعریف کو اس وقت آپ کے سامنے پیش کیا جائے۔ ''مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش'' حصہ سوم کے صفحہ ۱۳۰ پر مودودی صاحب فرماتے ہیں:

''یہ انبوہ عظیم جس کو مسلمان کہا جاتا ہے اس کا حال یہ ہے کہ اس کے ۹۹۹ فی ہزار افراد نہ اسلام کا علم رکھتے ہیں نہ حق اور باطل کی تمیز سے آشنا ہیں۔ نہ ان کا اخلاقی نقطۂ نظر اور ذہنی رویہ اسلام کے مطابق تبدیل ہوا ہے۔ باپ سے بیٹے اور بیٹے سے پوتے کو بس مسلمان کا نام ملتا چلا آ رہا ہے، اس لئے یہ مسلمان ہیں۔ نہ انہوں نے حق کو حق جان کر اسے قبول کیا ہے۔ نہ باطل کو باطل جان کر اسے ترک کیا ہے۔ ان کی کثرت رائے کے ہاتھ میں باگیں دے کر اگر کوئی شخص یہ امید رکھتا ہے کہ گاڑی، اسلام کے راستے پر چلے گی تو اسکی خوش فہمی قابل داد ہے''

(مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش۔ بار ششم۔ اچھرہ (لاہور)
مکتبہ جماعت اسلامی۔ حصہ سوم۔ صفحہ: ۱۳۰)

۴۷ء میں جو واقعہ ہوا۔ جو تعریف اسلام کی تعریف سمجھی گئی وہ انہی لوگوں کے ہاتھوں میں اسلام کی باگیں دینے کے نتیجے میں پیدا ہوئی ہے۔

اس پر کوئی یہ خیال کر سکتا ہے کہ مولانا مودودی صاحب کا خیال یہ تھا کہ

عامۃ الناس اگر اکٹھے ہو کر فیصلہ دیں گے تو اس کی کوئی حیثیت نہیں ہو گی۔ ہوسکتا ہے کہ مودودی صاحب کے ذہن میں یہ بات ہو کہ بڑے بڑے چوٹی کے علماء یہ حق رکھتے ہیں، اور وہ اسلامی فہم اور اسلامی ذوق رکھنے کی بناء پر مستند ہو جاتے ہیں، اس لئے چونکہ اس فیصلے میں اس قسم کے علماء بھی شامل تھے اس لئے اسکی حیثیت اور ہے۔ یا ہوسکتا ہے کہ کوئی یہ خیال کرے کہ عامۃ الناس کی بات تو رد کی جائے گی کیونکہ اس قسم کے عامۃ الناس ہیں جیسے مودودی صاحب نے بیان فرمائے ہیں، لیکن ان کی منتخب نمائندہ اسمبلی کو تو بہرحال یہ حق حاصل ہونا چاہیئے، ان پر یہ فتویٰ جاری نہیں کیا جا سکتا۔ تو ان دونوں باتوں کا جواب میں اپنے الفاظ میں دینے کی بجائے مولانا مودودی کے الفاظ ہی میں دیتا ہوں۔ وہ پہلی بات کا جواب یہ دیتے ہیں:

''خواہ مغربی تعلیم وتربیت پائے ہوئے سیاسی لیڈر ہوں یا علماء دین ومفتیانِ شرع مبین (اس اسمبلی میں جس نے وہ تعریف منظور کی جس کی رو سے جماعت احمدیہ خارج از اسلام کہلاتی ہے وہاں یہ دو ہی قسم کے لوگ تھے۔ ناقل) دونوں قسم کے راہنما اپنے نظریہ اور اپنی پالیسی کے لحاظ سے یکساں گم کردہ راہ ہیں۔ دونوں راہ حق سے ہٹ کر تاریکیوں میں بھٹک رہے ہیں......ان میں سے کسی کی نظر بھی مسلمان کی نظر نہیں''۔

(مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصہ سوم بار ششم صفحہ: ۷۷،۷۸)

جہاں تک اس وہم کا تعلق ہے کہ خواہ کیسے ہی ہوں، جب ان کو جمہوری قوت حاصل ہو جائے اور جمہور کی نمائندگی حاصل ہو جائے تو پھر ان کے فتوے لازماً چلنے چاہئیں، پھر ان کی تعریف لازماً قابل قبول ہونی چاہیئے۔ تو اس کا جواب بھی مودودی صاحب کی زبان ہی میں آپ کو دیتا ہوں۔ فرماتے ہیں:

''جمہوری انتخاب کی مثال بالکل ایسی ہی ہے جیسے دودھ کو بلو کر مکھن نکالا جاتا ہے۔ (کیسی عمدہ مثال دی ہے۔ اس سے تو کوئی انکار نہیں۔ نہایت خوبصورت مثال ہے۔ مگر اس سے نتیجہ کیا نکلتا ہے۔ ناقل) اگر دودھ زہریلا ہو تو اس سے جو مکھن نکلے گا قدرتی بات ہے کہ وہ دودھ سے زیادہ زہریلا ہو گا۔۔۔۔۔۔۔۔ پس جو لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ اگر مسلم اکثریت کے علاقے ہندو اکثریت کے تسلط سے آزاد ہو جائیں اور یہاں جمہوری نظام قائم ہو جائے تو اس طرح حکومت الٰہی قائم ہو جائے گی، ان کا گمان غلط ہے۔ دراصل اس کے نتیجہ میں جو کچھ حاصل ہوگا وہ صرف مسلمانوں کی کافرانہ حکومت ہوگی''۔ (مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش صفحہ: ۱۰۷۔۱۰۸)

یہ کل کی باتیں ہیں۔ آج کی باتیں کچھ اور ہو رہی ہیں۔ کیا دین اسلام اس طرح اپنے رنگ بدلا کرتا ہے؟ کیا کوئی بھی حق کی بات اس طرح پینترے بدل کر، مختلف حلیئے، مختلف شکلیں اختیار کیا کرتی ہے؟ پھر فرماتے ہیں:

''یہاں جس قوم کا نام مسلمان ہے وہ ہر قسم کے رطب و یابس سے بھری ہوئی ہے۔ کریکٹر کے اعتبار سے جتنے ٹائپ کافروں میں پائے جاتے ہیں اتنے ہی اس قوم میں بھی موجود ہیں''

(مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصہ سوم بار ششم صفحہ: ۱۰۷۔۱۰۸)

ارتداد کی تعریف

اب میں ارتداد کی تعریف کی طرف توجہ کرتا ہوں۔ علامہ راغب اپنی کتاب ''المفردات'' میں لکھتے ہیں:

اَلْاِرْتِدَادُ وَالرِّدَّةُ: الرُّجُوْعُ فِی الطَّرِیْقِ الَّذِیْ جَاءَ مِنْهُ، لٰکِنِ الرِّدَّةَ تُخْتَصُّ بِالْکُفْرِ، وَالاِرْتِدَادُ یُسْتَعْمَلُ فِیْهِ وَ فِیْ غَیْرِهٖ– قَالَ تَعَالٰی: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰی اَدْبَارِهِمْ﴾ وَ قَالَ: ﴿یٰٓاَ یُّهَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِهٖ.﴾ وَ هُوَ الرَّجُوْعُ مِنَ الْاِسْلَامِ اِلَی الْکُفْرِ۔"

(المفردات لامام حسین بن محمد المعروف بالراغب الاصفهانی.زیر لفظ: "رد")

یعنی: اِرْتِدَاد اور رِدَّة کے معنی ہیں اس راستے کی طرف واپس چلے جانا جس راستے سے کوئی آیا ہو، لیکن رِدَّة کا لفظ کفر کی طرف واپس جانے سے مختص ہے۔ اور اِرْتِدَاد کا لفظ کفر کی طرف لوٹنے یا کسی اور امر کی طرف لوٹنے کے لئے مشترک ہے۔ جیسے قرآن کریم میں فرمایا: اِنَّ الَّذِیْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰی اَدْبَارِهِمْ نیز فرمایا: یٰٓاَیُّهَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِهٖ۔ یہ دوسری آیت اسلام سے کفر کی طرف لوٹنے کے معنوں میں آئی ہے۔

عظیم حکمت الٰہی

"ارتداد" ایک ایسا لفظ ہے جو محض لازم استعمال ہوتا ہے اور متعدی استعمال ہو ہی نہیں سکتا۔ یعنی مرتد صرف اس کو کہتے ہیں جو خود اعلان کرے کہ میں باہر جا رہا ہوں۔ عربی قواعد کی رو سے یہ اجازت ہی نہیں کہ کوئی دوسرا اسکو مرتد کہہ کر باہر نکال دے۔ مرتد کی اپنی مرضی اس میں شامل ہے۔ ایسا حیرت انگیز لفظ خدا تعالیٰ نے چنا ہے، ارتداد کے اظہار کے لئے کہ دوسرے کے دخل سے ہر مسلمان کو آزاد کرتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم نے بھی ایسی ہی تعریف فرمائی فرمایا:

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ (الکھف: ۳۰)

کہ دیکھو! تمہارے رب کی طرف سے حق آ چکا ہے۔ اب ہر شخص کا اختیار ہے۔ چاہے تو ایمان لائے اور چاہے تو کفر اختیار کرے۔

کسی کو کسی کی تکفیر کا حق نہیں

اور چاہنے کا تعلق دل سے ہے۔ کہیں قرآن کریم نے اجازت نہیں دی کہ چاہو تو فلاں کو مومن قرار دے دو اور چاہو تو فلاں کو کافر قرار دیدو بلکہ ہر شخص کا اپنا حق رکھا اور اس اعلان کی اجازت دی۔ اب اس اعلان میں کسی جبر کی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی کہ: فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ اگر ارتداد کی سزا قتل ہے یا کفر کی سزا قتل ہے تو من شاء کے کیا معنی رہ جاتے ہیں؟ اپنی مرضی کو ہر شخص خود بتا سکتا ہے۔ پس اگر کسی سے پوچھا جائے کہ تم کافر ہوتے ہو یا مومن رہتے ہو اور وہ کہہ دے کہ میں مومن ہوں، میں مسلمان ہوں، تو چونکہ ''شاء'' کا تعلق دل سے ہے، اس لئے کسی اور کو قرآن اجازت ہی نہیں دیتا کہ اس کے دل کی بات وہ بیان کرے۔

نظریہ قتلِ مرتد۔ قرآن کریم کی روشنی میں

اسلام جس شاندار مذہبی آزادی کی تعلیم دیتا ہے، اس کے متعلق چند آیات آپ کے سامنے رکھنے کے بعد میں ان دلائل کی طرف متوجہ ہوں گا جو قتل مرتد کے جواز میں علماء کی طرف سے پیش کئے جاتے ہیں۔

قتل مرتد کے جواب میں پہلی آیت :

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۗ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○ (البقرة: ۲۵۷)

کہ دیکھو! دین کے معاملے میں کسی قسم کا جبر جائز نہیں اور اس کی ضرورت ہی نہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ ہدایت اور گمراہی کا فرق خوب ظاہر ہو چکا ہے۔ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ پس جو شخص اپنی مرضی سے نیکی سے روکنے والے کی بات ماننے سے انکار کرے اور اللہ پر ایمان رکھے اس نے ایک مضبوط، قابل اعتماد کڑے پر ہاتھ ڈال لیا جو ٹوٹنے کا نہیں، یا وہ ہاتھ اب اس کڑے کو چھوڑنے والا نہیں۔

یہ ایک بہت ہی گہری حکمت کی بات پیش کرنے والی آیت ہے۔ یہاں بالکل برعکس مضمون بیان ہوا ہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ تمہیں حق ہے کہ لوگوں کو ارتداد اختیار کرنے سے روکو۔ فرمایا کسی کو حق نہیں ہے کہ تمہیں اپنا دین چھوڑنے پر

مجبور کرے۔

فرمایا، چونکہ حق ظاہر ہو گیا ہے اور دین میں جبر نہیں ہے، تم تو جبر نہیں کرو گے کیونکہ خدا کا تمہیں حکم مل چکا ہے کہ دین میں کوئی جبر نہیں ہے، لیکن غیر کا جبر بھی نہیں چل سکتا، کیونکہ تم نے حق کو حق سمجھ کے قبول کیا ہے، ایک مضبوط کڑے پر ہاتھ ڈال بیٹھے ہو۔ پس جو طاغوتی طاقتوں کا مقابلہ کرے گا اور ان کے دین میں لوٹنے سے انکار کر دے گا اور اللہ کے ایمان پر قائم رہے گا، اس نے گویا ایک مضبوط کڑے پر ہاتھ ڈال دیا۔ لَا انْفِصَامَ لَهَا اب یہ تعلق ٹوٹنے کا نہیں۔ یعنی جبر تمہارے خلاف استعمال ہو گا، لیکن ہم جانتے ہیں کہ تم ایسے روشن مقام پر فائز ہو کہ کسی طرح بھی اندھیروں کی طرف لوٹ جانے والے نہیں۔

دوسری آیت

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا ۚ فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰی رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ○ (المائدۃ: ۹۳)

کہ تم اللہ کی بھی اطاعت کرو اور رسول کی بھی اطاعت کرو، اور ہوشیار رہو۔ اگر اس تنبیہ کے باوجود بھی تم پھر گئے تو جان لو کہ ہمارے رسول کے ذمہ تو صرف کھول کر بات پہنچا دینا ہے (قتل کرنا نہیں)

اگر مرتد کی سزا قتل ہوتی تو اس کا تو فوری جواب یہ ہونا چاہئے تھا کہ ہم نے خوب بات کھول دی ہے۔ اتنی بات کھولنے کے باوجود اگر تم اس دین سے پھر گئے تو یاد رکھو تلوار تمہارا جواب ہے اور تمہاری گردن کاٹی جائے گی۔

تیسری آیت

پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ سکیم آف تھنگز (Scheme of things) یہ نہیں ہے۔ خدا نے دین کا نقشہ بناتے وقت اس میں جبر کو کبھی داخل ہی نہیں ہونے دیا۔ کائنات کی جو تصویر اس کامل مصور نے کھینچی تھی اس میں تو دین اور جبر کا کوئی علاقہ اس نے قائم ہی نہیں ہونے دیا۔ فرمایا۔:

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ؕ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝ (یونس: ۱۰۰)

کہ دیکھو! اگر اللہ چاہتا کہ مومنوں کی تعداد بڑھ جائے، سارے لوگ ایمان لے آئیں تو اس کا چاہنا ہی کافی تھا اور تمام کے تمام بنی نوع انسان فوراً خدا کی چاہت کے ساتھ ہی ایمان لے آتے۔ جب اللہ نے ایسا نہیں چاہا ''اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ'' تو اے محمد! کیا تو لوگوں کو مجبور کرے گا کہ وہ ایمان لے آئیں۔

دو اہم اعلان

اس میں دو اعلان ہیں۔ ایک یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمیشہ کے لئے جبر کے الزام کی نفی فرما دی گئی کیونکہ محمد مصطفیٰ ﷺ کا چاہنا تو وہی تھا جو خدا کا چاہنا تھا۔ آپؐ کا کلام خدا کا کلام تھا۔ آپ خدا کی منشاء کے تابع بات کرتے تھے۔

قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (الانعام: ۱۶۳)

یہ ایک ہی نبی ہے جسے خدا نے بنی نوع انسان کے سامنے یہ اعلان کرنے کی اجازت دی کہ میرا اپنا تو کچھ بھی باقی نہیں رہا۔ میری تمام عبادتیں، میری ساری قربانیاں،

میری تو زندگی اور موت کلیتاً خدائے رب العالمین کی ہو چکی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جب یہ فرمایا کہ اے محمد! میں تجھے بتاتا ہوں کہ میرا منشاء ہے کہ دین میں آزادی ہو اور کسی کو زبردستی مومن نہ بنایا جائے تو ''اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ'' کا کلمہ کسی ناراضگی کا کلمہ نہیں بلکہ پیار کا کلمہ ہے۔ ہم خوب جانتے ہیں کہ تو اب ایسی بات کر نہیں سکتا کیونکہ تجھے ہمارا منشاء معلوم ہو چکا ہے۔

اور دوسری طرف تمام ان مسلمانوں کے لئے جو بعد کی نسلوں میں آنے والے تھے یہ اعلان تھا کہ اب اگر تم نے دین میں جبر کے عقیدے کی اشاعت کی اور اس کی تلقین کی تو یاد رکھو کہ اللہ اور محمد مصطفیٰ ﷺ کے واضح وعدے اور منشاء کے خلاف ایسا کرو گے، اس کے مطابق کبھی ایسا نہیں کرو گے۔

چوتھی آیت

پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فَذَكِّرْ ۗ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ۝ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ۝ اِلَّا مَنْ تَوَلّٰى وَكَفَرَ ۝ فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ الْاَكْبَرَ ۝

(الغاشیۃ: ۲۲ تا ۲۵)

کہ اے محمد! تُو تو نصیحت کرنے والا ہے۔ پس نصیحت کرتا چلا جا، تُو ان لوگوں پر داروغہ مقرر نہیں ہے۔ یعنی اگر کوئی ایمان نہ لایا تو جس طرح داروغے کی حفاظت میں چیزیں دی جاتی ہیں اور کوئی چیز ضائع ہو جائے تو اس کی جواب طلبی ہوتی ہے ہم ہرگز تیری جواب طلبی نہیں کریں گے۔ یہاں ''داروغہ نہیں ہے'' کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ ہم نے تمام بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے تجھے مقرر فرمایا

ہے لیکن جبر کا اختیار تجھے نہیں دیا۔تو نصیحت کرتا چلا جا اور نہ ماننے والوں کا معاملہ ہمارے ذمہ ہے۔ جو انکار کرے گا اور کفر کرے گا تو اس کے لئے عذاب اکبر ہے۔ لیکن جہاں تک تیری ذات کا تعلق ہے تجھ سے ہرگز ان لوگوں کے بارہ میں نہیں پوچھا جائے گا جو انکار کر رہے ہیں۔

مشائخ کے مزعومہ قرآنی دلائل

اب میں آپ کے سامنے علماء کے چند دلائل پیش کرتا ہوں، جو انہوں نے اپنے زعم میں قرآن کریم سے نکال کر نصِ صریح کے طور پر اپنے عقیدے کی تائید میں پیش کئے ہیں۔

علماء کی پہلی دلیل

پہلی مزعومہ طور پر مبینہ قرآنی دلیل جو علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی نے پیش کی ہے ان کی ایک ہی دلیل ہے۔ وہ اپنے رسالہ ''الشہاب'' میں اپنے استدلال کی بنیاد اس آیت پر رکھتے ہیں:

وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِہٖ یٰقَوْمِ اِنَّکُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَکُمْ بِاتِّخَاذِکُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰی بَارِئِکُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَکُمْ ؕ ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ عِنْدَ بَارِئِکُمْ ؕ فَتَابَ عَلَیْکُمْ ؕ اِنَّہٗ ھُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ○ (البقرۃ:۵۵)

یعنی اے قوم بنی اسرائیل! تُو نے بچھڑے کو معبود بنا کر اپنی جانوں پر ظلم کیا تم اب خدا کی طرف رجوع کرو۔ پھر اپنے آدمیوں کو قتل کرو۔

اس آیت کا یہ ترجمہ کر کے اس کو قتل مرتد کے عقیدے کی تائید میں پیش کرتے ہوئے یہ تمہید باندھتے ہیں:

''یوں تو قرآن کریم کی بہت سی آیات ہیں جو مرتد کے قتل پر دلالت کرتی ہیں لیکن ایک واقعہ جماعت مرتدین کے بحکم خدا قتل کئے جانے کا ایسی تصریح

اور ایضاح کے ساتھ قرآن میں مذکور ہے کہ خدا سے ڈرنے والوں کے لئے اس میں تاویل کی ذرہ گنجائش نہیں''

گویا جو آیتیں میں نے تلاوت کر کے آپ کو سنائی ہیں ان میں (نعوذ باللّٰه من ذلك) خدا سے ڈرنے والوں کے لئے بہت گنجائشیں موجود ہیں، لیکن اس موقع میں کوئی گنجائش نہیں رہی۔

''نہ وہاں محاربہ ہے، نہ قطع طریق، نہ کوئی دوسرا جرم۔ صرف ارتداد اور تنہا ارتداد ہی وہ جرم ہے جس پر حق تعالیٰ نے ان کے بے دریغ قتل کا حکم دیا ہے۔۔۔۔۔''

یعنی مولوی صاحب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کا تو کوئی واقعہ نہیں ملتا (نہ ان کے نزدیک قرآن کریم بیان کرتا ہے)۔ حضرت موسیٰؑ کی قوم کا ایک واقعہ نظر آیا ہے جو قرآن نے بیان کیا ہے، اس پر یہ قتل مرتد کے عقیدے کی بناء ڈال رہے ہیں اور لکھتے ہیں:

''فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ'' میں ''اَنْفُسَكُمْ'' کے معنے وہی ہیں جو ''ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَاۗءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ'' میں ہیں۔ اور قتل کو اپنے اصلی اور حقیقی معنے سے (جو ہر طرح کے قتل کو خواہ لوہے سے ہو یا پتھر سے شامل ہے) پھیرنے کی کوئی وجہ موجود نہیں ۔۔۔۔۔۔ اس حکم کا نتیجہ جیسا کہ روایات میں ہے یہ ہوا کہ کئی ہزار آدمی جرم ارتداد میں خدا کے حکم سے موسیٰ علیہ السلام کے سامنے قتل کئے گئے۔ اور صورت حال یہ ہوئی کہ قوم میں سے جن لوگوں نے بچھڑے کو نہیں پوجا تھا ان میں سے ہر ایک نے اپنے اس عزیز وقریب کو جس نے گوسالہ پرستی کی تھی اپنے ہاتھ سے قتل کیا''

اس کی انہوں نے کوئی دلیل نہیں دی۔ میں آگے چل کر جب آیت پر بحث کروں گا تو آپ حیران ہوں گے کہ کس طرح انہوں نے آیت کے مضمون سے کھلا کھلا انحراف کیا ہے۔

''یہ واضح رہے کہ یہ مقتولین سزاءِ قتل دیئے جانے سے قبل ایک طرح کی توبہ بھی کر رہے تھے۔۔۔۔۔۔۔لیکن اس توبہ نے بھی ان کو دنیا کی عقوبت سے نہیں بچایا۔۔۔۔۔۔کہا جا سکتا ہے کہ یہ واقعہ موسوی شریعت کا ہے امت محمدیہ کے حق میں اس سے تمسک نہیں کیا جا سکتا۔لیکن آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ پہلی امتوں کو جن شرائع اور احکام کی ہدایت کی گئی ہے اور قرآن نے ان کو نقل کیا ہے وہ ہمارے حق میں بھی معتبر ہیں اور ان کی اقتداء کرنے کا امر ہم کو بھی ہے، جب تک کہ خاص طور پر ہمارے پیغمبر یا ہماری کتاب اس حکم سے ہمیں علیحدہ نہ کر دیں۔۔۔۔۔۔پس اسی قاعدہ سے بنی اسرائیل کے مرتدین کو قتل کئے جانے کے حکم میں بھی تعلیم ہم ہی مسلمانوں کو ہوگی''

(الشہاب صفحہ ۳۲،۳۳)

مسخ حقائق

یہ جو دعویٰ کیا ہے کہ قرون خالیہ کے جن احکام و شرائع کا قرآن کریم میں ذکر ملتا ہے، جب تک قرآن کریم ان پر عمل سے کھلے طور پر منع نہ فرما دے اس وقت تک وہ ہماری شریعت کا حصہ بن جاتے ہیں، بالکل غلط اور بے بنیاد بات ہے۔ ایک تاریخی حقیقت کو توڑ مروڑ کر پیش کیا گیا ہے۔اور وہ حقیقت یہ ہے کہ جب تک قرآن کریم کی تعلیم مکمل نہیں ہوئی تھی، جب تک شریعت اپنی پوری شکل میں نازل نہیں

ہوئی تھی، اس وقت تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ دستور تھا کہ اگر قرآن میں کسی خاص مسئلے کے متعلق کوئی حکم نازل نہ ہوا ہوتا تو گزشتہ کتب سے نظیر پکڑا کرتے تھے۔
(ملاحظہ ہو مسلم، کتاب الفضائل، باب صفة شعره ﷺ و صفاته)

اور جن امور کے بارہ میں قرآن کریم میں نص صریح نازل ہو چکی ہو ان میں ہرگز کبھی ایک دفعہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امت مسلمہ کے لئے گزشتہ کتب سے کوئی نظیر نہیں پکڑی۔ قتل مرتد کا کوئی ذکر قرآن کریم میں، مرتد کے ذکر کے باوجود بھی، موجود نہیں۔ مرتد کے بارہ میں تفصیلی تعلیمات موجود ہیں اور بکثرت ذکر موجود ہے۔ جب قرآن نے مرتد کے موضوع پر لب کشائی فرما دی اور قتل کا ذکر نہ فرمایا تو یہ استدلال نہایت کج استدلال ہے کہ قرون خالیہ میں کسی واقعہ کا ذکر موجود ہے اور اس کا انکار نہیں کیا گیا اس لئے ہم اس سے نظیر پکڑتے ہوئے اسے شریعت کا حصہ بنا لیں گے اور یہ ہم پر فرض ہے۔ یہ بات بالکل غلط ہے اور سنت کے بالکل خلاف ہے۔ یہ درست ہے کہ جب کسی موضوع پر حکم نہیں ملتا تھا اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پرانی امتوں یعنی تورات کی تتبع فرمایا کرتے تھے۔ جب اس موضوع پر حکم آ جاتا تھا تو ہرگز اسکی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے تھے۔

اور اب دوسرے استدلال کا قصہ سنئے اور دیکھئے کہ مرتد کی سزا قتل کا موضوع ہے بھی کہ نہیں۔ مولانا عثمانی صاحب درج ذیل آیت کریمہ پیش کرتے ہیں:

وَلَمَّا سُقِطَ فِيٓ اَيْدِيْهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ○ (الاعراف: ۱۵۰)

یعنی جب اس معاملہ کا اختیار ان کے ہاتھ سے جاتا رہا اور انہوں نے خوب کھول کر یہ بات دیکھ لی کہ وہ گمراہ ہو گئے اور غلطی کی تھی تو انہوں نے کہا اگر

اللہ تعالیٰ ہم پر رحم نہ فرمائے اور ہماری بخشش نہ کرے یا ہم پر رحم نہ فرماتا اور ہماری بخشش نہ کرتا تو ہم یقیناً گھاٹا پانے والوں میں سے ہوجاتے۔

اس حصہ آیت کو پیش کر کے مولانا عثمانی صاحب یہ استدلال فرماتے ہیں کہ:

''دیکھو! باوجود اس کے کہ انہوں نے توبہ کرلی، باوجود اس کے کہ اللہ نے رحم فرمادیا، باوجود اس کے کہ ان کی مغفرت ہوگئی، پھر بھی قتل کا حکم جاری فرمادیا''

(مجلّہ الشہاب ص ۱۸)

گویا مولوی صاحب کے نزدیک گھاٹا پانے والوں کی یہ تعریف ہے۔

حادثہ کے بارہ میں قرآن میں مذکور تفاصیل

قرآن کریم کے پیش کردہ سیاق وسباق کی روشنی میں اب اصل واقعہ ملاحظہ کیجئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ○ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○ وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ○ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ ؕ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ○ (البقرة: ۵۲تا۵۵)

یعنی اس وقت کو یاد کرو جب ہم نے موسیٰؑ سے چالیس راتوں کا وعدہ کیا۔ پھر تم نے اس کے چلے جانے کے بعد ظالم بن کر بچھڑے کو معبود بنالیا۔ پھر ہم نے اس کے بعد بھی تمہیں معاف کردیا تاکہ تم شکر گزار بنو۔

معافی اور عفو کا سلوک مولوی عثمانی صاحب کے نزدیک یہ تھا کہ ایک طرف کہا کہ ہم تمہیں معاف کر رہے ہیں اور دوسری طرف سے قتل کا حکم دیدیا اور گویا وہ شکر ادا کرتے کرتے قتل ہو گئے کہ اے خدا! ہم تیرے بڑے ہی ممنون ہیں۔تو نے ہمیں معاف کرنے میں کمال کر دیا۔کسی انسان سے ایسا عفو ہم نے کبھی نہیں دیکھا۔ایسی مغفرت کبھی سننے میں بھی نہیں آئی تھی۔کہ زبان سے عفو کا حکم جاری ہے اور اشارے یہ ہو رہے ہیں کہ ان کو قتل کرتے چلے جاؤ۔اس سے بڑا عفو ممکن نہیں۔

پھر فرماتا ہے:

اور اس وقت کو بھی یاد کرو جب ہم نے موسیٰ کو کتاب یعنی تو ارات اور فرقان یعنی معجزات دیئے تا کہ تم ہدایت پاؤ۔اور اس وقت کو بھی یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم تم نے بچھڑے کو معبود بنا کر اپنی جانوں پر بہت ہی ظلم کیا ہے۔پس اللہ سے توبہ کرو اور توبہ کے بعد اپنے نفسوں کو قتل کرو۔یہ بات تمہارے پیدا کرنے والے کے نزدیک تمہارے حق میں بہت اچھی ہے۔(جب تم نے ایسا کر لیا) تب اس نے تمہاری طرف فضل کے ساتھ پھر توجہ کی۔وہ یقیناً اپنے بندوں کی طرف بہت توجہ کرنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

یہ آخری آیت وہ آیت ہے جسکا غلط ترجمہ کر کے آپ کے سامنے پیش کیا گیا ہے حالانکہ یہاں ''فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ '' میں مذکور ''اَنْفُسَكُمْ '' وہی اَنْفُسَكُمْ ہیں جن کا ذکر ''ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ '' میں ہوا ہے۔سو فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ سے مراد یہ ہے کہ ظلم کرنے والا اپنے نفس کو قتل کرے۔کہیں بھی ہرگز یہ نہیں لکھا کہ ایک دوسرے کو قتل کرو۔بلکہ جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا ان کو

مخاطب کر کے کہا جا رہا ہے کہ جن جانوں پر تم نے ظلم کیا ہے ان کو قتل کر دو۔

''قتل نفس'' کا مفہوم

اور قتل نفس کا یہاں مطلب عربی لغت کی رو سے واضح طور پر یہ ہے کہ گریہ وزاری یا PENANCE کے ذریعہ، توبہ واستغفار کے ذریعہ اپنے نفس امارہ کو کچلو۔ ایک ظلم تم نے کیا شرک کر کے، اب شرک کے اثر مٹانے کے لئے دوسرا ظلم یہ کرو کہ اپنے نفس کو توجہ دلاؤ، بار بار توبہ واستغفار کرو۔

علامہ شبیر عثمانی صاحب کو یہ واضح بات سمجھ نہیں آ رہی اور ایک ایسی بات کی ہے جس کا قرآن سے دور کا بھی تعلق نہیں۔ ان کو یہ بات تو سمجھ آ گئی تھی کہ جنہوں نے خود ظلم کیا ہے وہ اپنے آپ کو کس طرح قتل کریں گے؟ کیا توبہ کے بعد خود کشیاں کر لیں؟ اسکا حل یہ بتایا کہ ان کو حکم یہ تھا کہ تم لوگوں میں سے جن لوگوں نے گناہ نہیں کیا ہے وہ باقی ان سب کو قتل کر دیں جنہوں نے گناہ کیا ہے۔ یعنی جو اپنے دین پر قائم رہے وہ مرتدین کو قتل کر دیں۔ حالانکہ قرآن کریم مخاطب ہی ان کو ہو رہا ہے جنہوں نے ظلم کیا تھا اور کہیں بھی کسی آیت میں بھی جنہوں نے ظلم نہیں کیا تھا ان لوگوں کو مخاطب نہیں ہو رہا بلکہ سارے مضمون میں جہاں جہاں بھی بیان ہوا ہے ان لوگوں کا کوئی ذکر ہی نہیں جنہوں نے گناہ نہیں کیا تھا۔ ان کو کہیں نہیں فرمایا کہ تم قتل کرو۔ مولوی صاحب نے اپنی طرف سے ایک بات ایجاد کی اور اسے قرآن کی طرف منسوب کر دیا۔

قرآن اور تورات کے بیانات میں تضاد

مولوی عثمانی صاحب کو زیادہ سے زیادہ ہم یہ حق دے سکتے ہیں کہ انہوں نے بائیبل سے اس واقعہ کی تفصیل معلوم کی ہو گی۔ لیکن اگر بائیبل سے تفصیل معلوم کرتے تو پھر بھی یہ کہانی نہ بنتی۔ کیونکہ بائیبل تو اس بارہ میں قرآن سے بڑا واضح اور شدید اختلاف کر رہی ہے۔ اس اختلاف کے بعد بائیبل کی روایت مسلمانوں کے لئے قابل اعتماد نہیں رہتی کیونکہ بائیبل میں تو یہ لکھا ہے کہ گناہ سب نے کیا تھا، لیکن وہ گناہ کروانے والا سامری نہیں تھا بلکہ موسیٰؑ کا بھائی ہارون تھا۔ ہارون نے خود وہ شرک کا طریق ایجاد کیا اور حضرت موسیٰؑ کو یہ جواب دیا کہ میں تو مجبور ہو گیا تھا ساری قوم مجھ پر غالب آ گئی تھی اور ان میں کوئی نیک لوگ رہے ہی نہیں تھے۔ مجھے یہ ترکیب سوجھی کہ میں نے ان کے زیور اکٹھے کئے۔ ان کو آگ میں جھونک دیا اور اس آگ سے یہ بچھڑا نکل آیا۔ اس پر بائیبل کے بیان کے مطابق حضرت موسیٰؑ نے یہ انصاف جاری کیا، **نعوذ باللہ من ذٰلک**، کہ بنی لاوی کو جو ان کا اپنا خاندان تھا بلایا کہ اگر تم میرے ساتھ وفادار ہو تو ادھر آ جاؤ۔ باوجود اس کے کہ وہ اس جرم کے بانی مبانی تھے، ان کو بلایا اور ان کو حکم دیا کہ باقیوں کو قتل کر دو۔ اس طرح تین ہزار آدمی اس دن مارے گئے۔ (عہد نامہ قدیم، خروج باب ۳۲۔ آیات ۲۔ ۲۸)

یہ ہے قتل مرتد کی عثمانی دلیل جسکو قرآنی دلیل کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے۔

یہود کی توبہ قبول ہوئی

جہاں تک قرآن کا تعلق ہے قرآن اس بات کو یوں کھلا کھلا رد کر رہا ہے کہ کوئی انسان جس میں تقویٰ کا کوئی شائبہ بھی ہو اس بات کے بعد مرتد کی سزا قتل کا جواز

یہاں سے نہیں نکال سکتا۔ کیونکہ قرآن کریم کے نزدیک اس واقعہ اور اس ظلم کا بانی مبانی سامری تھا۔مگر سامری کے قتل کا بھی حکم نہیں دیا گیا جو لیڈر تھا،اس کو یہ سزا ملی کہ:

فَاِنَّ لَكَ فِى الْحَيٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ (طٰهٰ:۹۸)

ساری عمر تجھے ''لَا مِسَاسَ'' کہنا ہے۔ تیرا بائیکاٹ ہوگا یا تجھے ایسی بیماری پڑے گی جس سے تیرا بدن مکروہ ہو جائے گا۔تُو ہمیشہ کہتا رہیگا کہ میرے پاس نہ آؤ، مجھے ہاتھ نہ لگاؤ مجھ سے دور رہو۔ میں پلید انسان ہوں۔قتل کا حکم تو کہیں نہیں دیا گیا۔

اور پھر مسلسل ہر جگہ جہاں اس واقعہ کا ذکر ہے قرآن کریم کھول کھول کر بیان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے توبہ کرنے والوں کی توبہ کو قبول فرمالیا۔ چنانچہ فرماتا ہے:

فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ ؕ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ○

(البقرة:۵۵)

کہ اپنے رب کی طرف توبہ کے ساتھ جھکو، رجوع کرو، اور اپنے نفسوں کو قتل کرو۔ یہ طریق تمہارے رب کے نزدیک بہتر ہے۔ پھر فرمایا: فَتَابَ عَلَيْكُمْ نہ صرف یہ کہ تم توبہ کے ساتھ خدا تعالیٰ کی طرف جھکے بلکہ خدا نے بھی تمہاری توبہ کو قبول فرمایا: اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ۔ دیکھو! کیسا پیارا کیسا بار بار توبہ قبول کرنے والا خدا ہے۔اور کتنا رحم کرنے والا خدا ہے۔

کیا یہ ان کے دل کی آواز تھی جن کے دل توبہ کے باوجود یہ دیکھ رہے تھے کہ ان کی گردن زدنی کا حکم دیدیا گیا ہے۔قرآن کریم پر کتنا ظالمانہ الزام ہے؟ قرآن کریم کے منشاء سے کیسا واضح اور کھلا کھلا انحراف ہے؟ اور پھر کہتے ہیں کہ ہم قرآن کریم سے قتل مرتد کے جواز میں دلائل لے کر آ رہے ہیں اور جس میں ذرا سی

بھی عقل ہوگی وہ بھی اس چکر میں سے نکل کر باہر نہیں جا سکتا۔ الٹ کہنا چاہئے تھا۔ کہنا یہ چاہئے تھا کہ جس میں ذرا بھی عقل ہوگی وہ اس پھندے میں پڑ نہیں سکتا۔ کیونکہ قرآن کریم کی یہ آیات کسی طرح بھی اجازت نہیں دیتیں کہ ان سے قتل مرتد کا جواز نکالا جائے۔ اگر قرآن کی یہ بات درست ہے کہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کو چھوڑ کر ساری قوم مرتد ہوگئی تھی تو کس نے کس کو قتل کیا؟ کیا اشارۃً بھی ثابت ہے کہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون دونوں نے مل کر ساری قوم کو قتل کر دیا تھا اور صرف ان کے لیڈر سامری کو چھوڑ دیا تھا؟ اگر ایسا ہوتا تو موسیٰ کی قوم کا نام ونشان مٹ چکا ہوتا۔

قتل معنوی

پھر اس سے اگلی آیت کے معاً بعد ہی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○ (البقرۃ:۵۷)

کہ پھر ہم نے تمہارے مرنے کے بعد دوبارہ تمہیں زندہ کر دیا تا کہ تم شکر کرو۔

گویا اس موت کی وضاحت کر دی جس کو اپنے نفسوں پر وارد کرنے کا حکم انہیں دیا گیا تھا، اور بتا دیا کہ وہ لوگ مادی لحاظ سے نہیں مارے گئے تھے۔ قتل نہیں ہوئے تھے بلکہ انہوں نے اپنے لئے اپنے نفس پر ایک موت وارد کر لی تھی۔ اور اسی کا حکم تھا۔ اور جب انسان اپنے نفس پر خدا کی خاطر موت وارد کرتا ہے تو اس کی زندگی خدا کے ذمہ ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ''تَابَ'' کا مضمون بھی بیان فرما دیا کہ کس طرح اس نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔ انہوں نے اپنے نفسوں کو مارا، خدا نے ان کو نئی زندگی عطا کر دی۔ جس پر وہ شکر کرتے تھے کہ ہم مردہ قوم تھے۔ کس طرح خدا نے ہمیں روحانی طور پر زندہ کر دیا۔ واقعتاً ہم پر شکر واجب ہو جاتا ہے۔

قدیم مفسرین کی آراء

اس ضمن میں اور بھی قرآن کریم کی آیات اور دلائل ہیں مگر چونکہ آجکل کے علماء قرآن سے بہت زیادہ قرون وسطی کے فقہاء اور علماء کے فتووں کے قائل ہیں اس لئے میں باقی آیات کے بیان کو چھوڑتا ہوں اور چند تفاسیر کے فیصلے آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔

(ا) تفسیر روح البیان میں لکھا ہے:

"فَاقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمْ" بِقَمْعِ الْهَوٰى، لِاَنَّ الْهَوٰى هُوَ حَيَاةُ النَّفْسِ، وَارْجِعُوْا بِالْاِسْتِنْصَارِ عَلٰى قَتْلِ النَّفْسِ بِنَهْيِهَا عَنْ هَوَاهَا- فَاقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمْ بِنَصْرِاللّٰهِ وَ عَوْنِهٖ...... ﴿ذٰلِكُمْ خَيْرٌلَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ ﴾، يَعْنِي: قَتْلُ النَّفْسِ بِسَيْفِ الصِّدْقِ خَيْرٌلَّكُمْ، لِاَنَّ بِكُلِّ قَتْلَةٍ رِفْعَةً وَ دَرَجَةً لَكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ، فَاَنْتُمْ تَتَقَرَّبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ بِقَتْلِ النَّفْسِ وَ قَمْعِ الْهَوٰى، وَهُوَ يَتَقَرَّبُ اِلَيْكُمْ بِالتَّوْفِيْقِ لِلتَّوْبَةِ وَالرَّحْمَةِ عَلَيْكُمْ،......وَ ذٰلِكَ قَوْلُهٗ: ﴿فَتَابَ عَلَيْكُمْ اِنَّهٗ هُوَالتَّوَابُ الرَّحِيْمُ﴾

(شیخ اسماعیل حقّی البروسی. تفسیر روح البیان. سورة البقرة آیت: و اذ قال موسٰی لقومه یٰقوم انکم ظلمتم انفسکم باتخاذکم العجل ...... الخ)

کہ جب قرآن فرماتا ہے کہ اپنے نفسوں کو قتل کرو تو مراد ہے کہ اپنی ہوا و ہوس کو قتل کرو۔ گندی تمناؤں کو کچلو۔ کیونکہ ہوا و ہوس ہی نفس کی جان ہیں۔ یہ

بات تمہارے رب کے نزدیک تمہارے حق میں بہتر ہے۔ کیونکہ جتنی بار تم نفس امارہ کو کچلو گے اتنا ہی تم خدا کے حضور رفعت و درجات میں ترقی کرو گے اور وہ بھی تمہیں مزید نیکیوں کی توفیق دے کر رحمت کا سلوک فرماتے ہوئے تمہارے قریب ہوتا جائے گا۔'' **فَتَابَ عَلَيْكُمْ اِنَّهٗ هُوَالتَّوَّابُ الرَّحِيْمُ**'' کا یہ مطلب ہے۔

(۲) امام راغب اصفہانی فرماتے ہیں۔

وَ قَوْلُهٗ ﴿فَاقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمْ﴾، قِيْلَ: مَعْنَاهُ: لِيَقْتُلْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا. وَ قِيْلَ: عُنِيَ بِقَتْلِ النَّفْسِ اِمَاتَةُ الشَّهَوَاتِ''

(المفردات فی غریب القرآن. زیر لفظ ''قتل'')

کہ قتل نفس سے بعض لوگوں نے ظاہری قتل مراد لیا ہے لیکن علماء کی طرف سے ایک خیال یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اس سے مراد شہوات نفسانیہ کو ختم کرنا اور کچلنا ہے۔

اب میں دوسری دلیل کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔

علماء کی دوسری دلیل

قتل مرتد کے جواز میں دوسری مزعومہ قرآنی دلیل مودودی صاحب اپنے رسالہ میں پیش فرماتے ہیں مگر وہ مولانا عثمانی صاحب کی دلیل کا کوئی ذکر ہی نہیں کرتے۔ گویا ان کے نزدیک بھی اس دلیل کی کوئی وقعت نہیں ہے۔ ورنہ اگر وہ اتنی مضبوط دلیل ہوتی تو وہ اس کی طرف بھی متوجہ ہوتے۔

انہوں نے ایک اور استدلال سورۃ توبہ کی درج ذیل آیات سے کیا ہے۔

فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِى الدِّيْنِ ؕ وَنُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ○ وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِىْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ○ (التوبة:۱۱-۱۲)

مودودی صاحب کا استدلال

فرماتے ہیں۔

’’پھر اگر وہ (کفر سے) توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو تمہارے دینی بھائی ہیں۔ ہم اپنے احکام ان لوگوں کے لئے واضح طور پر بیان کرتے ہیں جو جاننے والے ہیں۔ لیکن اگر وہ عہد (یعنی قبول اسلام کا عہد) کرنے کے بعد اپنی قسموں کو توڑ دیں اور تمہارے دین پر زبان طعن دراز کریں تو پھر کفر کے لیڈروں سے جنگ کرو کیونکہ ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں۔ شاید کہ وہ اس طرح باز آ جائیں‘‘ (التوبہ:۲)

(’’ارتداد کی سزا اسلامی قانون میں‘‘ طبع اول۔ اچھرہ (لاہور۔)

مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی۔ ۱۹۵۱ء صفحہ ۹)

یہاں پہنچ کر وہی آیت جس سے وہ استنباط کرتے ہیں ان کی دلیل کے بخیے ادھیڑ دیتی ہے کہ یہ اس لئے کہ ’’لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ‘‘ شاید وہ باز آ جائیں۔ اگر قتل ہی ہو گئے تو پھر باز کیسے آئیں گے۔ اس طرح تو ان کے لئے توبہ کا کوئی سوال ہی باقی نہیں رہتا۔

پھر مودودی صاحب کہتے ہیں:

''یہاں عہد شکنی سے مراد کسی طرح بھی سیاسی معاہدات کی خلاف ورزی نہیں لی جا سکتی بلکہ سیاق عبارت صریح طور پر اس کے معنی ''اقرار اسلام سے پھر جانا'' متعین کر دیتا ہے۔ اور اس کے بعد فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ کے معنی اس کے سوا کچھ نہیں ہو سکتے کہ تحریک ارتداد کے لیڈروں سے جنگ کی جائے۔'' (''ارتداد کی سزا اسلامی قانون میں'' طبع اول۔ اچھرہ (لاہور۔ مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی۔ ۱۹۵۱ء صفحہ ۱۰)

مودودی استدلال کا تجزیہ

اس میں بہت سی باتیں محل نظر ہیں۔ پہلی بات تو مودودی صاحب کا یہ دعویٰ کہ سیاق وسباق کو دیکھا جائے تو یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ عہد سے مراد قبول اسلام کا عہد ہے۔ ان کا یہ دعویٰ سیاق وسباق سے ہی غلط ثابت ہو جاتا ہے۔ یہ سورۃ توبہ کی آیات ہیں اور قرآن کریم سورۃ توبہ میں یہ مضمون بیان فرما رہا ہے کہ مشرکین جنہوں نے تم سے عہد باندھا تھا وہ عہد کو توڑنے والے ہیں اور ان کے عہد کا کوئی اعتبار نہیں اور ان سے تمہیں جنگ کرنی پڑے گی۔ چنانچہ اس سورۃ کا آغاز ہی اس آیت سے ہوتا ہے:

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○

(سورۃالتّوبۃ: ۱)

اس میں مشرکین کے مسلمان ہونے کا کہاں ذکر آیا ہے؟ فرماتا ہے: مشرکین ہیں جن کے ساتھ ہم عہد کی بات کرتے ہیں۔ مشرکین میں سے جن لوگوں نے اپنے عہد کو تم سے توڑا ان کے خلاف ہم تمہیں جنگ پر آمادہ کرتے ہیں۔ پھر ذرا

آگے چل کے فرمایا:

كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ؕ يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ۚ اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ○ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ ؕ وَنُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ○

(التّوبة:۸ تا ۱۱)

اس میں بھی کہیں اشارتاً بھی مسلمانوں کا ذکر نہیں۔ فرماتا ہے: کیسے اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک مشرکین کے عہد کی کوئی وقعت ہو سکتی ہے؟ سوائے ان لوگوں کے کہ جن کے ساتھ تم نے مسجد حرام میں ایک عہد باندھا ہے۔ یہ مشرکین جب تک اپنے عہد پر قائم رہیں گے تمہارے ذمہ ہے کہ ان کو اپنی تکلیف دہی وایذادہی سے محفوظ رکھو۔ ہرگز ان کے خلاف کسی قسم کی کوئی کارروائی نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ تقویٰ اختیار کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے۔

كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ؕ

کیسے ان کے عہد کی کوئی اہمیت ہو سکتی ہے جبکہ ان کا حال یہ ہے کہ اگر وہ تم پر غلبہ پالیں تو تمہارے بارہ میں نہ کوئی رشتہ داری ان کو منظور خاطر ہوگی، نہ کسی عہد کی وہ پروا کرنے والے ہوں گے۔ وہ منہ سے صرف تمہیں راضی کرنے کی باتیں کرتے ہیں جبکہ ان کے دل باغی ہیں اور تم سے متنفر اور دور ہیں۔ انہوں نے اللہ کی آیات کے بدلے دنیا کا تھوڑا مال لینا منظور کر لیا ہے اور اس کی راہ سے لوگوں کو روکنے

والے ہیں۔ یقیناً ان کے اعمال بہت برے ہیں۔ کسی مومن کے بارہ میں وہ کسی رشتہ داری کا لحاظ نہیں کرتے اور نہ عہد و پیمان کا۔ اور وہ حد سے بڑھے ہوئے ہیں۔

سیاق اس آیت کا یہ ہے۔ کیا یہ مسلمانوں کی باتیں ہو رہی ہیں؟ حیرت کی بات ہے کہ مودودی صاحب کس طرح یہ کہتے ہیں کہ سیاق و سباق کو دیکھو تو قطعاً ثابت ہو جائے گا کہ قرآن کریم میں جس عہد کا ذکر چلا ہے وہ عہد مسلمانی یعنی عہد بیعت ہے۔

پھر فرماتا ہے:

فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ ؕ وَنُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ○

یہ آیت ایک جملہ معترضہ کے طور پر بیچ میں آئی ہے۔ عہد کے ذکر کو وقتی طور پر چھوڑ کر یہ بتایا گیا ہے کہ ان لوگوں میں سے جن کے ساتھ تمہارا عہد ہے اگر کوئی اسلام قبول کر لیں تو پھر ان سے تمہیں صرفِ نظر کرنی چاہئے۔ ان سے تمہارا جھگڑا ختم ہو جاتا ہے۔ ان کا معاملہ ہی بدل جاتا ہے۔

پھر دوبارہ اس عہد کی بات شروع ہوئی جو شروع سے چلی آ رہی ہے کہ:

وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ○

(التّوبة: ١٢)

یعنی پھر اگر وہ عہد کو توڑتے ہیں اور تمہارے دین میں طعن کرتے ہیں (صرف عہد توڑنا کافی نہیں۔ کیسا عظیم کلام ہے۔ کیسی عظیم رحمت ہے کہ باوجود اس کے کہ مشرک عہد توڑ رہے ہیں پھر بھی ان کی سزا کا حکم نہیں آتا۔ فرماتا ہے کہ اگر

ایسے ذلیل ہو جاتے ہیں کہ عہد بھی توڑتے ہیں اور پھر تمہیں تکلیفیں بھی پہنچاتے ہیں۔ کھلم کھلا بغاوت کرتے ہیں تو) پھر تم ضرور کفر کے ائمہ سے جنگ کرو۔ کیونکہ ان کے لئے اس وقت تک کوئی کارروائی جائز نہیں جب تک وہ خود اپنا عہد نہ توڑیں۔ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ تا کہ وہ باز آ جائیں۔

مولانا مودودی اور بعض دوسرے علماء کے نزدیک تو باز آنے کا بھی کوئی فائدہ نہیں کیونکہ مرتد توبہ کرنے کے باوجود بھی قتل کیا جائے گا۔ کیونکہ ان علماء کے نزدیک تو مرتد کی توبہ قبول ہی نہیں ہوتی۔

(ملاحظہ ہو الشہاب لرجم الخاطف المرتاب۔ صفحہ ۱۸)

لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ بتا رہا ہے کہ اس سے قتل مرتد کا استنباط کرنا انتہائی ظلم ہے۔ کاش یہ علماء اس حرکت سے باز آ جائیں کیونکہ بات تو مشرکین کی ہو رہی ہے۔ اسلام قبول کرنے والوں کی بات تو ہو ہی نہیں رہی۔ اور قرآن کریم کی طرف وہ باتیں منسوب نہ کریں جن کا قرآن کریم سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔

حقیقی سیاق وسباق

مولوی مودودی صاحب کے اس مشورہ پر عمل کرتے ہوئے سیاق وسباق کو دیکھتے ہوئے اب ہم اس کے معاً بعد آنے والی آیت کا ذکر کرتے ہیں۔ اس سے آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ کون لوگ مراد ہیں۔ کیا مرتد کی سزا قتل کا معاملہ زیر بحث ہے یا کچھ اور معاملہ؟ کن سے مقاتلہ کرو۔ کن سے لڑائی کرو۔ فرمایا:

اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ (التّوبة:۱۳)

فرمایا: جن لوگوں سے ہم تمہیں لڑنے کا حکم دے رہے ہیں اس لئے کہ تم غالب ہو اور مضبوط ہو اور ان کی گردنیں تمہارے ہاتھوں میں آئی ہوئی ہیں بلکہ وہ اتنے مضبوط اور اتنے قوی ہیں کہ رسول اور آپ کے ساتھیوں کو شہر سے نکالنے پر تلے بیٹھے ہیں۔

ان کے جرم کیا ہیں؟ یہ نہیں فرمایا: اِرْتَدُّوْا عَلٰی اَدْبَارِھِمْ وہ اپنی پیٹھوں کے بل پھر گئے اور انہوں نے اسلام سے منہ موڑ کر کفر اختیار کر لیا۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ فرمایا نَكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ : انہوں نے اپنی قسمیں توڑی ہیں اور اپنی شرارتوں اور زیادتیوں میں وہ پہل کر گئے ہیں۔ پہلے انہوں نے تمہارے خلاف تلوار اٹھائی ہے۔ پہلے انہوں نے تمہارے ساتھ زیادتی کی ہے۔

تُقَاتِلُوْنَ ہے نہ کہ تَقْتُلُوْنَ

''اَلَا تُقَاتِلُوْنَ'' کا صیغہ خود ہی بتا رہا ہے کہ کسی تلوار اٹھانے والے سے مقابلہ کا حکم ہے کیونکہ 'تُقَاتِلُوْنَ'' مفاعلہ کا صیغہ ہے۔ اگر صرف قتل کرنا مراد ہوتی تو ''اَلَا تُقَاتِلُوْنَ'' کی بجائے اَلَا تَقْتُلُوْنَ کہنا چاہئے تھا۔ کوئی شخص جسے معمولی سی بھی عربی کا فہم ہو وہ اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کر سکتا کہ قرآن کریم نے ''اَلاتَقْتُلُوْن'' نہیں فرمایا بلکہ اَلَا تُقَاتِلُوْنَ فرمایا۔

اور ''وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ'' نے اس بات کی خوب وضاحت کر دی کہ وہ لوگ جو پہلے تمہارے خلاف تلوار اٹھا چکے ہیں، باغی ہیں، عہد شکن ہیں۔ سازشی ہیں۔ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینے سے نکالنے کی سازشیں کر رہے ہیں۔ چونکہ ان کے عہد کی کوئی بھی حیثیت باقی نہیں رہی اور وہ ان سب جرائم

کے مرتکب ہو چکے ہیں۔اس لئے ان سے لڑو جو تم سے لڑنے میں پہل کر چکے ہیں۔
یہ ہے مولانا مودودی کی قتل مرتد کی دلیل کا قرآنی سیاق وسباق اور یہ بھی شبیر عثمانی صاحب کی دلیل کی طرح ان کی اکلوتی قرآنی دلیل ہے۔اس کے سوا ان کو سارے قرآن میں اور کوئی دلیل نہیں ملی۔

علماء کی تیسری دلیل

اب میں وفاقی شرعی عدالت پاکستان میں پیش کی جانے والی بعض ان مزعومہ قرآنی آیات کا ذکر کرتا ہوں جن سے عدالت کی کارروائی کے دوران علماء کی طرف سے قتل مرتد کا استدلال کیا گیا ہے۔

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ؕ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○ (المآئدة: ۳۴)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:
یعنی یقیناً وہ لوگ جنہوں نے تم سے محاربہ کیا ہے اور زمین میں وہ فساد پھیلانے میں تیزی سے سعی کر رہے ہیں، کوشش کر رہے ہیں کہ زمین کا امن اٹھ جائے، ان کے لئے یہ سزا ہے کہ یا تو وہ قتل کئے جائیں یا وہ سولی چڑھائے جائیں یا مخالف سمتوں سے ان کے ہاتھ اور پاؤں کاٹے جائیں یا ان کو دیس نکالا دے دیا جائے۔ یہ ان کے لئے دنیا میں بطور رسوائی کے ہوگا اور آخرت میں ان کے لئے عذاب عظیم مقدر ہے۔

اس آیت میں کسی ایک لفظ کا ترجمہ بھی ارتداد نہیں کیا جا سکتا۔ اشارتاً یا کنایتاً بھی ارتداد کا مضمون یہاں کہیں بیان نہیں ہوا۔ اور محاربہ کو کھینچ تان کر ارتداد قرار دینا قرآن سے بھی اور عربی زبان سے بھی ظلم سے مترادف ہے۔ تعجب ہے کہ علماء کہلاتے ہوئے بھی یہ کس طرح ایسی باتوں کی جرأت کرتے ہیں؟

برصغیر کے ایک عظیم مفسر کی رائے

چنانچہ آجکل کے علماء میں سے ایک مفتی اور عالم کہ جن کا بہت بڑا اثر ہندوستان میں ہے اور بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں یعنی مولانا مفتی محمد شفیع صاحب وہ فرماتے ہیں۔

''یہاں پہلی بات قابل غور یہ ہے کہ اللہ و رسول کے ساتھ محاربہ اور زمین میں فساد کا کیا مطلب ہے؟ اور کون لوگ اس کے مصداق ہیں؟
لفظ ''محاربہ'' حرب سے ماخوذ ہے اور اس کے اصلی معنی سلب کرنے اور چھین لینے کے ہیں اور محاورات میں یہ لفظ ''**سلم**'' کے بالمقابل استعمال ہوتا ہے جس کے معنی امن اور سلامتی کے ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ حرب کا مفہوم بدامنی پھیلانا ہے اور ظاہر ہے کہ اِکّا دُکّا چوری یا قتل و غارت گری سے امن عامہ سلب نہیں ہوتا''

یہ نہایت ہی معقول دلیل پیش کر رہے ہیں کیونکہ یہ خطرہ تھا کہ فقہاء اس سے یہ نتیجہ نکالیں گے کہ ہر شخص جو کبھی ڈاکہ ڈالے یا ہر شخص جو کبھی چوری کرے اس کے لئے قرآن ایسی سخت سزائیں تجویز کرتا ہے کہ اگر اس کے جرم میں شدت ہو تو بے شک اسے اذیت ناک سزائیں دو جو عام سزاؤں سے ہٹ کر ہوں۔ فرماتے ہیں:۔

''بلکہ یہ صورت جبھی ہوتی ہے جبکہ کوئی طاقتور جماعت راہزنی اور قتل وغارت گری پر کھڑی ہو جائے۔ اس لئے حضرات فقہاء نے (یعنی مفتی صاحب اس ذکر میں مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ وہ اس میں تنہا نہیں بلکہ ان کے ساتھ فقہاء کی ایک جماعت ہے جس نے) اس سزا کا مستحق صرف اس جماعت یا فرد کو قرار دیا ہے جو مسلح ہو کر عوام پر ڈاکے ڈالے اور حکومت کے قانون کو قوت کے ساتھ توڑنا چاہے۔ جس کو دوسرے لفظوں میں ڈاکو یا باغی کہا جا سکتا ہے۔ عام انفرادی جرائم کرنے والے چور، گرہ کٹ وغیرہ اس میں داخل نہیں ہیں۔''

''دوسری بات یہاں یہ قابل غور ہے کہ اس آیت میں محاربہ کو اللہ اور رسول ﷺ کی طرف منسوب کیا ہے حالانکہ ڈاکو یا بغاوت کرنے والے جو مقابلہ یا محاربہ کرتے ہیں وہ انسانوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ کوئی طاقتور جماعت جب طاقت کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قانون کو توڑنا چاہے تو اگرچہ ظاہر میں اس کا مقابلہ عوام اور انسانوں کے ساتھ ہوتا ہے لیکن درحقیقت اسکی جنگ حکومت کے ساتھ ہے اور اسلامی حکومت میں جب قانون اللہ اور رسول ﷺ کا نافذ ہو تو یہ محاربہ بھی اللہ و رسول ہی کے مقابلہ میں کہا جائیگا''۔

(مفتی محمد شفیع سابق مفتی اعظم پاکستان۔ تفسیر معارف القرآن۔ کراچی۔

ادارۃ المعارف۔ جلد سوم۔ سورۃ المائدہ: ۱۱۹، ۱۲۰)

پاکستانی شرعی عدالت کے جج کی رائے

پاکستان کی مشہور و معروف وفاقی شرعی عدالت کے جسٹس پیر محمد کرم شاہ صاحب اپنی کتاب ''ضیاء القرآن'' میں اس موضوع پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مملکت اسلامیہ کے گوشہ گوشہ میں امن قائم کرنے، راستوں کو محفوظ بنانے اور فتنہ و فساد کی جڑ کاٹنے کا حکم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول معظم نے دیا ہے۔ جو اس حکم کی خلاف ورزی کر کے قتل و غارت اور لوٹ مار کا بازار گرم کرتا ہے وہ گویا اللہ اور اس کے رسول کے خلاف علم بغاوت بلند کر رہا ہے، اس لئے قرآن کریم نے مملکت اسلامیہ کے کسی باشندے پر، خواہ وہ مسلمان ہو یا ذِمی، دست درازی کرنے کو اللہ اور اس کے رسول کے خلاف جنگ کرنے سے تعبیر کیا ہے''۔

پھر فرماتے ہیں:

''واؤ'' تفسیریہ ہے۔ پہلے جملہ میں جس محاربہ کا ذکر ہے اس کی وضاحت فرما دی۔

محاربین جن کی سزائیں یہاں بیان کی گئی ہیں وہ کون ہیں؟ ان کے متعلق فقہاء کرام نے کہا کہ جن میں یہ تین شرطیں پائی جائیں وہ محارب ہیں:

۱۔ وہ بندوق، تلوار، نیزہ وغیرہ ہتھیاروں سے مسلح ہوں۔

۲۔ آبادی سے باہر راستہ یا صحراء میں وہ راہزنی اور ڈاکے کا ارتکاب کریں۔

لیکن امام شافعی، اوزاعی اور لیث رحمھم اللہ تعالی کے نزدیک شہر میں ڈاکہ ڈالنے والے بھی محارب کہلائیں گے اور انہی سزاؤں کے مستحق ہوں گے۔

۳۔وہ چھپ کرنہیں بلکہ برملا حملہ آور ہوکرلوٹ مار کریں‘‘

(تفسیر ضیاء القرآن از پیر محمد کرم شاہ۔لاہور۔ضیاء القرآن پبلیکیشنز جلد اول۔
سورۃ المائدۃ۔صفحہ ۴۶۴)

یہ ہے ان کے علماء کی اپنی تشریح جو عین عربی قواعد اور قرآنی محاورہ اور سیاق وسباق کے مطابق ہے۔اس آیت سے قتل مرتد کا استنباط کرنا ایک ایسے آدمی کے لئے ناممکن ہے جو سوجھ بوجھ بھی رکھتا ہو۔جب تک کسی کے دماغ میں کوئی خلل نہ پیدا ہو جائے اس وقت تک وہ اس آیت میں خلل پیدا کر ہی نہیں سکتا۔

علماء کی چوتھی دلیل

اب چوتھی دلیل ملاحظہ فرمائیے۔یہ بھی شرعی عدالت کی ایک مرغوب دلیل ہے۔اسی شرعی عدالت کی جس کے خلاف اس کے ایک جج پیر محمد کرم شاہ صاحب اپنے خیالات کا اظہار کر چکے ہیں۔اس کا حوالہ میں پہلے دے چکا ہوں۔یہ دلیل درج ذیل ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِى اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۡ يُجَاهِدُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ○

(المآئدة:۵۵)

یہ وہی آیت ہے جسکی میں نے اس تقریر کے آغاز میں تلاوت کی تھی۔اس سے بھی قتل مرتد کا استنباط کرنا کلیتًا بعید از عقل ہے اور اس کی کوئی دور کی بھی یہاں

گنجائش موجودنہیں۔انہوں نے جواستدلال کیا ہےاس کی بنیادانہوں نے آیت کے درج ذیل تین ٹکڑوں پر رکھی ہے۔

(۱): فَسَوْفَ يَأْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗۤ

(۲): اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ

(۳): يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ

وہ کہتے ہیں کہ مراد یہ ہے کہ جوکوئی مرتد ہو جائے گا اس مرتد سے لڑنے کے لئے اللہ ایک قوم لے آئیگا جس سے اللہ محبت کریگا اور وہ قوم اللہ سے محبت کرے گی۔ وہ ان مرتدین سے جہاد کریں گے اور ان کوتلوار سے قتل کر دیں گے کیونکہ وہ مومنوں کے لئے تو بہت ہی نرم ہوں گے اور کافروں کے لئے بہت سخت ہوں گے۔

گویا ان کے نزدیک فَسَوْفَ يَأْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ میں ایک بعد میں آنے والی قوم کا ذکر ہے۔

اگر مرتد کی سزا قتل ہوتی تو کیانعوذ باللہ من ذالك آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ان غلاموں میں جن میں اس ارتداد کی خبر دی جارہی ہے،کوئی اللہ سے محبت کرنے والا ایسانہیں تھا جس سے اللہ بھی محبت کرتا تھا؟ کوئی ایسانہیں تھا جو دین کے لئے ایسی غیرت رکھتا ہواور خدا کے لئے ایسی اطاعت کا جذبہ اپنے اندر پاتا ہو کہ ان مرتد ہونے والوں سے لڑائی کی ہمت کر سکے؟ کیسی ظالمانہ دلیل دی جارہی ہے اور نہایت شدید حملہ کیا جارہا ہے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے غلاموں کے ایمان پر! گویا اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ اگر تم میں سے اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور تمہارے غلاموں میں سے جن کی تربیت تُو نے خود کی ہے، جنکا تزکیہ تُو نے کیا ہے،کوئی مرتد ہو جائے گا تو تم نے کچھ نہیں کرنا،فکر نہ کرنا، ہم کوئی ایسی قوم

لے آئیں گے جو خدا سے محبت کرنے والی ہوگی اور خدا ان سے محبت کریگا۔ان کی یہ صفات ہوں گی کہ وہ مومنوں کے لئے تو بڑے نرم دل ہوں گے اور کافروں کے لئے سخت ہوں گے اور تلوار کے زور سے انہیں غارت کریں گے۔

''یُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ'' کا یہ ترجمہ بھی کرلیا گیا حالانکہ جہاد کے تو بڑے وسیع معانی ہیں۔ جَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا (الفرقان:۵۳) بھی تو قرآن میں آیا ہے جو قرآن ہی کے متعلق ہے اور یہاں جہاد بالسیف کا اشارتاً بھی کوئی ذکر نہیں۔

اگر اس استدلال کو منظور کرلیا جائے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہ کی شدید گستاخی ہے کہ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آپ کے صحابہ میں سے تو کوئی لڑنے والا، دین کی غیرت رکھنے والا نہیں تھا جو اللہ تعالی کے فضل سے عطا ہوتی ہے اور گویا اللہ نے کہا کہ میں ایسے متقی لوگوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھیج دوں گا۔ وہ آپ ہی ان سے نپٹتے پھریں گے۔تمہیں پروا کی کوئی ضرورت نہیں۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ

(المآئدة:۵۵)

کہ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسکو چاہے دیتا ہے۔

اس سیاق وسباق میں تو یہ مطلب بنے گا کہ تمہیں تو یہ فضل نہیں ملا، تم فکر نہ کرو اور لوگوں کو مل جائے گا یعنی دشمنوں سے لڑنے کی توفیق۔

وہ بھول گئے کہ یہی ''عَزِیز'' کا لفظ بڑی شان کے ساتھ قرآن کریم اس سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق استعمال فرما چکا ہے۔ اور ''اَذِلَّة''

سے بڑھ کر مومنوں سے محبت کا لفظ بھی خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق استعمال فرما چکا ہے۔قرآن کریم فرماتا ہے:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○ (التّوبة:۱۲۸)

کہ تم جو تکلیف اٹھاتے ہو وہ اس رسول پر بہت شاق گزرتی ہے جن کی طرف سے تکلیف پہنچتی ہے ان کے خلاف اس کے دل میں شدید جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ پھر فرمایا بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۔ اَذِلَّةٌ کا لفظ اس کے مقابل پر تو کوئی بھی حیثیت نہیں رکھتا۔فرمایا: مومنوں کے لئے یہ رؤف ہے اور رحیم ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی دو صفات ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک میں اس شان سے جلوہ گر ہوئی ہیں کہ آپ کو قرآن کریم رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ قرار دے رہا ہے۔اس عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ کے مصداق اور اس رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ کے ہوتے ہوئے کیوں اللہ تعالیٰ نے قتل مرتد کا حکم نہیں دیا؟ کیوں یہ وعدہ فرما کے ٹال دیا کہ کوئی بات نہیں میں آئندہ ایک قوم بھیج دوں گا جو تمہارے لئے یہ کام کر دے گی؟

جہاں تک میں نے تلاش کیا ہے مجھے ان چار دلائل کے سوا جنہیں مزعومہ طور پر قرآن کریم کی نصوص صریحہ کے طور پر قتل مرتد کے عقیدہ کے حق میں پیش کیا جاتا ہے اور کوئی آیت علماء کی طرف سے پیش کردہ نہیں ملی۔اگر کسی کے علم میں ہو تو مجھے بھجوائے۔انشاءاللہ اس کا بھی جواب دے دیا جائے گا۔

مرتدین کے بارہ میں قرآن کا موقف

اب اس کے مقابل پر مَیں وہ آیات قرآنیہ پیش کرتا ہوں جن میں ارتداد کا واضح ذکر موجود ہے مگر ارتداد کی سزا قتل کا قطعاً کوئی ذکر موجود نہیں بلکہ اس کے برعکس کھلا کھلا مضمون ہے اور اس مضمون پر اتنی واضح آیات ہیں کہ ان کے بعد نظریہ قتل مرتد کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

پہلی آیت

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۚ ○ اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ○ وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ ؕ وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ؕ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ؕ يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ؕ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ؕ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۫ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ○ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَرَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ○ (المنٰفقون: ۲تا۶)

کہ اے محمد! جب منافق تیرے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ یقیناً تُو اللہ کا رسول ہے اور اللہ خوب جانتا ہے کہ تُو اس کا رسول

ہے کیونکہ اسی نے تجھے بھیجا ہے۔اس سے بہتر کون تجھے جان سکتا ہے؟ اس کے باوجود اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق جھوٹے ہیں۔ بات بظاہر سچی کر رہے ہیں لیکن بول جھوٹ رہے ہیں۔ کیونکہ ان کے دل میں وہ بات نہیں جسکا وہ منہ سے اقرار کر رہے ہیں۔

اس مضمون پر یہ پہلا واقعہ ہمارے علم میں آیا ہے جس میں اگرچہ انسانوں کو دسترس نہیں تھی مگر خدا نے جو دلوں کے راز سے واقف ہے خود گواہی دی کہ بعض لوگ منہ سے اقرار کرنے والے ہیں۔ لیکن ہم گواہی دے رہے ہیں کہ وہ جھوٹ بول رہے ہیں اور وہ مرتد ہو چکے ہیں۔ان کا دین سے کوئی تعلق نہیں رہا۔ پھر فرمایا!

انہوں نے اپنے عہدوں یا اپنے ایمان کو (دونوں معنی ہو سکتے ہیں) اپنے لئے جُنَّة (ڈھال) بنا لیا ہے اور پھر اللہ کے راستہ سے لوگوں کو روک رہے ہیں۔ بہت ہی برا کرتے ہیں جو یہ کرتے ہیں۔ اس لئے یہ گندے سے گندے ہوتے چلے جا رہے ہیں کہ وہ ایک دفعہ ایمان لائے تھے پھر اس کے بعد انہوں نے انکار کر دیا یعنی کھلے کھلے مرتد ہو چکے ہیں۔اب اللہ نے ان کے دلوں پر مہر بھی لگا دی ہے۔اب کبھی ایمان لا ہی نہیں سکتے۔ایسے پکے مرتد ہو چکے ہیں کہ ان کے دلوں کے لئے توبہ کے سارے دروازے بند ہو چکے ہیں۔اور ان کو ابھی تک سمجھ نہیں آ رہی کہ ہمارے ساتھ ہو کیا رہا ہے۔

رسول اللہ اور صحابہ مرتدین کو جانتے تھے

وہ لوگ کون تھے؟ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے غلاموں کو ان کی معین طور پر خبر تھی کہ نہیں؟ اگر خبر تھی تو اس قطعی اور پکی گواہی کے باوجود کہ نہ صرف

وہ مرتد ہو چکے ہیں بلکہ توبہ کا بھی کوئی امکان نہیں رہا ان کو قتل کرنے کا حکم کیوں نہیں دیا گیا؟ یا ان میں سے کسی ایک کو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل کیوں نہ کروایا؟

ان کی تعیین و تشخیص کے متعلق قرآن ساتھ ہی آگے فرماتا ہے کہ وہ معین لوگ ہیں جن کا تمہیں علم ہے اور اس علم کے باوجود:

''جب تم ان کو بلاتے ہو کہ توبہ کریں تو اللہ کا رسول بھی ان کے لئے بخشش طلب کرے گا'' (یہ نہیں فرمایا کہ توبہ کرتے ہی اللہ کا رسول ان کو قتل کر دے گا کیونکہ خدا نے مرتد کی سزا یہی رکھی ہے کہ توبہ کے باوجود قتل ہوگا۔ نہیں بلکہ فرمایا: باز آجاؤ، استغفار کرو، توبہ کرو۔ اگر توبہ کرو گے تو خدا کا رسول بھی تمہارے لئے بخشش طلب کرے گا۔ اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتا ہے؟) ''تو وہ تحقیر اور طعن و تشنیع کے طور پر سر مٹکاتے ہیں اور تو دیکھے گا کہ وہ رکتے ہیں اور دوسروں کو بھی خدا کی راہ سے روکتے ہیں۔ مسلسل ایسا کرتے چلے جا رہے ہیں اور وہ بڑے سخت تکبر کرنے والے لوگ ہیں''

اب بتایئے کہ ان آیات کے بعد کہ جن میں خدا تعالیٰ نے جو دلوں کا راز جاننے والا ہے کسی کے کفر کی گواہی دی اور ان کے متعلق آگاہ فرما دیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ ان کو پہچاننے لگے اور ان کو معین طور پر توبہ کی دعوت دینے لگے اس کے باوجود بھی انہوں نے خدا کے رستہ سے روکا اور تکبر کیا اور اپنے جرم پر اصرار کیا اس کے باوجود خدا تعالیٰ ان کے قتل کا حکم نہیں دیتا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے کسی ایک کو بھی قتل نہیں کرواتے۔

رسولِ خدا کا رئیس المرتدین سے حسن سلوک

ایک عجیب واقعہ قرآن کریم میں ملتا ہے کہ رئیس المنافقین جس کا نام لے کر خدا تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بتا چکا تھا کہ یہ منافق ہے اور آپ کے دل کی رحمت پر نظر کرتے ہوئے جانتا تھا کہ آپ اسکی بخشش کے لئے کوشش کریں گے آپ کو حکماً روکا کہ اسکی نماز جنازہ نہیں پڑھنی

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنۡهُمۡ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمۡ عَلٰى قَبۡرِهٖ

(التّوبة: ۸۴)

وہ منافق زندہ چلتا پھرتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق مسلسل گستاخیاں کرتا چلا جاتا ہے اتنی شدید گستاخی کہ قرآن فرماتا ہے کہ اس نے ایک موقع پر کہا کہ:

يَقُوۡلُوۡنَ لَئِنۡ رَّجَعۡنَاۤ اِلَى الۡمَدِيۡنَةِ لَيُخۡرِجَنَّ الۡاَعَزُّ مِنۡهَا الۡاَذَلَّ

(المنافقون: ۹)

کہ جب ہم مدینے لوٹیں گے تو سب سے معزز انسان (جو اپنے زعم میں خود عبداللہ بن ابی بن سلول تھا) (نعوذ باللّٰہ من ذالك) سب سے ذلیل انسان کو (یعنی حضرت محمد رسول اللہ کو) مدینہ سے نکال دے گا۔

یہاں خدا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نہیں لیا۔ اس میں حکمت یہ تھی کہ صحابہؓ اس آیت کو الٹا بھی سکتے تھے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک صحابی نے اس واقعہ کا ذکر کیا تو کہا: یا رسول اللہ! وہ سچ ہی تو کہتا ہے کہ دنیا کا سب سے معزز انسان یعنی آپ دنیا کے سب سے ذلیل انسان

یعنی اس منافقین کے سردار کو مدینہ سے نکال دے گا۔

بدبخت منافقوں کا سردار اس انتہائی گستاخی کے باوجود زندہ رکھا گیا۔ وہ مسلسل مدینے کی جگہوں میں دندناتا پھرتا رہا اور لوگوں کو مرتد کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ اپنی ایک پارٹی بنائی۔ عین جنگ کے دوران دھوکہ دے کر وہ پیٹھ پھیر کر بھاگتے رہے۔ ہر قسم کی ظالمانہ کارروائیاں کیں۔ ہر قسم کی گستاخیاں کیں۔ اس کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کے ساتھ یہ سلوک تھا کہ خدا نے اس دل پر نظر رکھ کر متنبہ فرمایا کہ اے محمد! (ﷺ) تو نے اسکی نماز جنازہ نہیں پڑھنی۔ تو نے اس کے لئے استغفار نہیں کرنا۔ اگر تُو اس کے لئے ستر بار بھی استغفار کرے گا تو تب بھی میں اس کو نہیں بخشوں گا۔ (التّوبۃ: ۸۰ تا ۸۵)

نبی رحمت کا پاس کرو

اس سے بڑا، اس سے واضح، اس سے زیادہ یقینی مرتد لا کے تو دکھاؤ۔ اور اس سے زیادہ عظیم الشان سلوک تو دکھاؤ جو کسی نے کسی مرتد کے ساتھ کیا ہو۔ اب تم ان دعووں کی جرات کرتے ہو اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم الشان کردار کو قرآن کے بیان کے منافی اور مخالف داغدار کرنے کی کوشش کرتے ہو۔ شرم سے تمہیں موت کیوں نہیں آجاتی کہ دنیا کے سب سے زیادہ رحیم وکریم آقا کے خلاف ایسے گندے الزامات لگاتے ہو اور ساری دنیا میں اس کو اور اس کے دین کو بدنام کرنے کی کوشش کرتے ہو۔

دوسری آیت

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ۝

(اٰل عمران: ۷۳)

کتب تفسیر بیان کرتی ہیں کہ یہ آیت نجران کے عیسائیوں کے وفد کی رسول اللہ کے پاس مدینہ میں آمد کے بعد نازل ہوئی۔ اور وفد نجران کی آمد کا یہ واقعہ رسول اللہ کی زندگی کے آخری سالوں کا ہے جب اسلامی سلطنت قائم ہو چکی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس واقعہ کے وقت تک نظریۂ قتل مرتد کا کوئی وجود نہ تھا۔ ورنہ یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ اہل کتاب اپنے بھائیوں کو یہ مشورہ دیتے کہ صبح کے وقت قرآن پر ایمان لے آئیں اور شام کو مرتد ہو جائیں۔ (ملاحظہ ہو۔ السیرۃالنبویة لابن ھشام قدوم وفد نصاریٰ نجران) اور وہ بھی اس وقت جبکہ اسلامی حکومت خوب مستحکم ہو چکی تھی اور اہل کتاب مغلوب اور محکوم ہو گئے تھے۔ ایسی صورتحال میں یہ کیسے ممکن تھا کہ یہ لوگ اپنے ساتھیوں کو ایسا مشورہ دیتے حالانکہ انہیں علم تھا کہ ارتداد کی سزا قتل ہے؟ اگر قتل مرتد کے قائل لوگوں کا موقف درست مانا جائے تو ایسی صورت میں ایسا مشورہ دینے والوں کو ان کے ساتھی جواب دیتے: تمہارے دماغ خراب ہیں کہ ایسا مشورہ دیتے ہو؟ کیا تمہیں علم نہیں کہ اگر ہم صبح ایمان لا کر شام کو ارتداد اختیار کر جائیں تو محمد ﷺ اور اس کے ساتھی فوراً ہماری گردن اڑا دیں گے؟

مگر قرآن نے ان کا ایسا کوئی جواب ذکر نہیں کیا جس سے ثابت ہوا کہ ان

کے صبح کے وقت ایمان لاکر شام کو مرتد ہونے میں ان کے لئے کوئی خطرہ نہ تھا۔

تیسری آیت

پھر فرماتا ہے:

كَيْفَ يَهْدِى اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَ شَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۝ۙ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ۝ۙ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۗ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (ال عمران:۸۷تا۹۰)

یہاں قتل مرتد کے مضمون کو مکمل طور پر بیان فرما دیا۔ فرمایا:
کس طرح اللہ ہدایت دے ایسی قوم کو جنہوں نے ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کیا؟ (یہاں یہ نہیں فرمایا کہ کس طرح خدا زندہ رہنے کی اجازت دے؟ کس طرح انہیں چلتا پھرتا باقی چھوڑے؟ صرف ہدایت کا مضمون چھیڑا ہے۔ پھر فرمایا) اور انہوں نے انکار کیا بعد اس کے کہ انہوں نے گواہی دی کہ یہ رسول سچا ہے۔ اور زبانی قرار ہی نہیں کیا تھا بلکہ کھلے کھلے نشانات دیکھنے کے بعد انکار کیا۔ اللہ ظالموں کو تو ہدایت نہیں دیا کرتا۔ (لیکن آج کل کے علماء تلوار کے زور سے ہدایت دینے کا ملکہ رکھتے ہیں) مذکورہ مرتدوں کی سزا یہ بیان کی گئی ہے کہ اللہ اور اس کا رسول اور اس کے فرشتے اور سارے کے سارے انسان ان پر لعنت ڈالتے ہیں (یہ نہیں فرمایا کہ ایسے لوگوں کو قتل

کرتے ہیں) وہ اسی ذلیل حالت میں رہیں گے۔ نہ ان کا عذاب کم کیا جائے گا اور نہ وہ مہلت دیئے جائیں گے۔ ہاں وہ لوگ جو خود توبہ کر لیں اور پھر اصلاح کر لیں تو وہ اللہ کو ظالم اور منتقم نہیں پائیں گے۔ بلکہ بہت ہی زیادہ بخشش کرنے والا اور رحم کرنے والا پائیں گے"۔

چوتھی آیت

فرمایا:

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بَعْدَ اِیْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا کُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ ○ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ کُفَّارٌ فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰی بِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ وَّ مَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ○ (اٰل عمران : ۹۱-۹۲)

یقیناً وہ لوگ جو ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے۔ پھر وہ کفر میں ترقی کرتے چلے گئے۔ (اگر وہ فوراً قتل کر دئے گئے تھے تو انہوں نے کفر میں ترقی کیسے کر لی تھی؟) ان کی توبہ قبول نہیں ہوگی۔ یہ بہت بڑے گمراہ لوگ ہیں"

ٹیڑھا استدلال

میں نے سنا ہے کہ بعض علماء نے آیت "لَنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ" سے بھی قتل مرتد کا استنباط کیا ہے کہ دیکھو ان کی توبہ قبول نہیں ہوگی اور وہ قتل کئے جائیں گے۔ مگر اگلی آیت اس کا کلیتاً رد فرما رہی ہے۔ فرمایا:

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ کُفَّارٌ

کہ وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور پھر کفر پر ہی مر گئے۔ (یہ نہیں فرمایا قُتِلُوْا وَهُمْ كُفَّار کہ پھر وہ قتل کر دئے گئے اس حالت میں کہ وہ کافر تھے بلکہ فرمایا پھر وہ طبعی موت مر گئے اور وہ کفار ہی تھے۔ فرمایا)

فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ

اس محاورہ نے اس مضمون کو کھول دیا ہے کیونکہ یہاں اس دنیا میں بندوں کا ان سے توبہ قبول کرنے کا بھی کوئی ذکر نہیں اور ایسے لوگ چونکہ کفر کی حالت میں جان دے رہے ہیں اس لئے قیامت کے روز بھی کوئی سودا بازی نہیں ہوسکتی اور اس دن زمین کے برابر سونا یا دیگر اشیاء بھی ان سے قبول نہیں کی جائیں گی۔ اور ایسے لوگوں کے لئے دردناک عذاب ہے اور ان کے لئے کوئی مددگار نہیں۔

پانچویں آیت

فرمایا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ○ (اٰل عمران:۱۵۰)

کہ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو اگر تم ان لوگوں کی پیروی کرو گے جنہوں نے کفر کیا تو وہ تمہیں تمہاری ایڑھیوں کے بل پھرا دیں گے یعنی تمہیں تمہارے دین سے ہٹا کر پھر کفر میں دھکیل دیں گے۔ پھر تم گھاٹا پانے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔

یہاں یہ نہیں فرمایا ''فَتَنْقَلِبُوْا مَقْتُوْلِيْنَ'' کہ اگر تم نے ارتداد اختیار کیا تو تم قتل کر دئے جاؤ گے۔ اگر ارتداد کی سزا قتل تھی تو یہاں اسکا ذکر ہونا چاہئے تھا۔

چھٹی آیت

فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ثُمَّ کَفَرُوۡا ثُمَّ اٰمَنُوۡا ثُمَّ کَفَرُوۡا ثُمَّ ازۡدَادُوۡا کُفۡرًا لَّمۡ یَکُنِ اللّٰہُ لِیَغۡفِرَ لَہُمۡ وَلَا لِیَہۡدِیَہُمۡ سَبِیۡلًا ؕ﴿﴾ بَشِّرِ الۡمُنٰفِقِیۡنَ بِاَنَّ لَہُمۡ عَذَابًا اَلِیۡمًا ﴿﴾ (النّسآء: ۱۳۸۔۱۳۹)

کہ یقیناً وہ لوگ جو ایمان لائے اور پھر کافر ہو گئے، پھر ایمان لائے، پھر کافر ہو گئے، پھر کفر میں بڑھتے ہی چلے گئے، اللہ کی سنت کے خلاف ہے کہ ایسے لوگوں کی مغفرت فرمائے اور ایسے لوگوں کو ہدایت دے۔ پس ایسے منافقین کو تم عذابِ الیم کی خوشخبری دے دو۔

یہاں بھی ان لوگوں کے ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کرنے اور پھر ایمان لانے اور پھر کفر کرنے اور پھر کفر میں بڑھ جانے کا ذکر ہے، مگر ایسے لوگوں کے مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہونے کا کوئی ذکر نہیں بلکہ صرف اتنا فرمایا کہ اے نبی! خدا کے ہاں ملنے والے عذاب الیم کی خوشخبری ان کو دے دو۔

ساتویں آیت

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مَنۡ یَّرۡتَدَّ مِنۡکُمۡ عَنۡ دِیۡنِہٖ فَسَوۡفَ یَاۡتِی اللّٰہُ بِقَوۡمٍ یُّحِبُّہُمۡ وَیُحِبُّوۡنَہٗۤ ۙ اَذِلَّۃٍ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اَعِزَّۃٍ عَلَی الۡکٰفِرِیۡنَ ۫ یُجَاہِدُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَلَا یَخَافُوۡنَ لَوۡمَۃَ لَآئِمٍ ؕ ذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیۡمٌ ﴿﴾

(المآئدة:۵۵)

دیکھیں یہ آیت بھی مرتد کی سزا قتل نہیں مقرر کرتی بلکہ صرف اتنا کہتی ہے کہ ایسے مرتدین کی جگہ اللہ ایسے لوگوں کو لے آئے گا جن سے خدا محبت کرے گا اور وہ بھی خدا سے محبت کرنے والے ہوں گے۔

آٹھویں آیت

فرمایا:

وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○ (البقرة :۲۱۸)

یہ آیت بھی صرف یہی ذکر کرتی ہے کہ مرتدین کے اعمال دنیا وآخرت میں اکارت جائیں گے اور قیامت کے دن انہیں آگ کا عذاب دیا جائے گا مگر اس آیت میں قطعاً کوئی ذکر نہیں کہ لوگوں کے ہاتھوں مرتدین کو دنیا میں بھی عذاب ملے گا۔

اس موضوع پر اور بھی آیات ہیں جن میں ارتداد کا ذکر ہے اور کسی آیت میں بھی نہ صرف یہ کہ قتل کا کوئی ذکر نہیں ملتا بلکہ قتل کے بالکل منافی مضمون واضح نظر آتا ہے۔

نظریۂ قتل مرتد۔۔۔۔احادیث کی روشنی میں

اب میں حدیثوں کی طرف آتا ہوں۔ جب علماء کو قرآن کریم میں سے اپنی مرضی کا کوئی مضمون نظر نہ آئے تو پھر وہ حدیثوں کی طرف رجوع کرتے ہیں۔اور یہ بات اس لحاظ سے ضرور جائز ہے کہ اگر قرآن میں کوئی مضمون لاعلمی کی وجہ سے ہم اس آیت کو تلاش نہ کرسکیں جس میں کوئی مضمون بیان کیا گیا ہو تو اس بارہ میں حدیث سے مدد لی جاسکتی ہے۔مگر حدیث کو قرآن کریم پر حاکم نہیں بنایا جاسکتا۔اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غیر متبدل مسلک تھا۔ پس فی ذاتہٖ اس بات پر مجھے کوئی اعتراض نہیں،مگر جنہوں نے قرآن کے خلاف وہ زیادتیاں کیں جن کا میں ذکر کر چکا ہوں وہ حدیث پر زیادتیاں کرنے سے کب باز آنے والے ہیں۔جنہوں نے اللہ کے کلام کا احترام نہیں کیا اور زبردستی اس کی طرف مضمون منسوب کیے، ان لوگوں سے یہی توقع ہے کہ وہ یہی حرکت حدیث کے ساتھ بھی کریں گے۔ چنانچہ ایسا ہی کر رہے ہیں۔

قائلین قتل مرتد کی اخذ کردہ احادیث

پہلی روایت

ایک حدیث عبداللہ بن ابی سرح کے بارہ میں پیش کی گئی ہے کہ کسی زمانے میں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کاتب وحی تھا،مگر شیطان نے اس کو پھسلا دیا۔ جب فتح مکہ ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اسے قتل کردیا جائے۔مگر بعد میں حضرت عثمانؓ نے اس کے لئے پناہ مانگی اور رسول اللہ نے پناہ دے دی۔

(''ارتداد کی سزا اسلامی قانون میں'' از مودودی۔صفحہ ۱۵)

یہ ہے حدیث، قتل مرتد کے جواز میں۔ اور ٹیڑھی باتوں کے علاوہ دلیل دینے والوں نے یہ زیادتی اور ظلم کیا ہے کہ اس کا پس منظر آپ سے چھپا لیا ہے اور یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ جونہی اس نے ارتداد کیا، اسی وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قتل کا حکم دیدیا اور پھر انتظار کرتے رہے کہ کب وہ قابو آئے تو اسے قتل کردیا جائے۔ ہرگز ایسا کوئی واقعہ نہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ یہ شخص ان حد سے بڑھے ہوئے مجرموں میں سے ایک تھا جن کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد عام معافی سے مستثنیٰ قرار دیا تھا اور جس طرح عام معافی سے مستثنیٰ قرار دینے کے باوجود ان میں سے بہتوں کو آپ نے رحمت کے ساتھ معاف فرما دیا تھا، اس کو بھی آپ کی بڑھی ہوئی رحمت نے معاف فرمادیا۔

واقعہ یہ ہوا کہ عبداللہ بن ابی سرح نہ صرف یہ کہ مرتد ہوا تھا بلکہ شرارت میں بہت بڑھ چکا تھا اور مسلمانوں کے خلاف محاربت میں شامل تھا۔ جب فتح مکہ ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ان لوگوں میں شامل کردیا جن کے متعلق ارشاد فرمایا تھا کہ ان کو معاف نہیں کیا جائیگا۔ یہ شخص حضرت عثمان سے پناہ کا ملتجی ہوا اور انہوں نے آپ کو پناہ دلا دی۔ چنانچہ لکھا ہے:

(۱) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: كَانَ عَبْدُ اللّٰهِ ابْنُ سَعْدِ ابْنِ اَبِیْ السَّرْحِ يَكْتُبُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَاَزَلَّهُ الشَّيْطَانُ، فَلَحِقَ بِالْكُفَّارِ، فَأَمَرَ بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ يُّقْتَلَ يَوْمَ الْفَتْحِ فَاسْتَجَارَ لَهُ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ فَأَجَارَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ۔

(سنن ابی داؤد کتاب الحدود باب الحکم فیمن ارتد)

کہ ابن عباس سے روایت ہے کہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کاتب وحی ہوا کرتا تھا مگر شیطان نے اسے پھسلا دیا اور وہ کفار سے جا ملا۔ فتح مکہ کے روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قتل کئے جانے کا حکم دیا۔ حضرت عثمان نے آپ سے اس کی معافی کی درخواست کی جسے آپ نے منظور فرماتے ہوئے اسے معاف کر دیا۔

(۲) اسی طرح سنن النسائی میں ہے۔

عَنْ مُصْعَبِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: لَمَّا كَانَ يَوْمُ فَتحِ مَكَّةَ اَمَّنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ النَّاسَ اِلَّا اَرْبَعَ نَفَرٍ وَ امْرَأَتَيْنِ، وَ قَالَ: اُقْتُلُوْهُمْ وَ اِنْ وَجَدْتُمُوْهُمْ مُتَعَلِّقِيْنَ بِاَسْتَارِ الْكَعْبَةِ، عِكْرَمَةُ بْنَ اَبِيْ جَهْلٍ وَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ خَطَلٍ وَ مَقِيْسُ بْنُ صُبَابَةَ وَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ سَعْدِ ابْنِ اَبِيْ السَّرْحِ۔

(سنن النسائی. کتاب تحریم الدم. باب الحکم فی المرتد)

کہ فتح مکہ کے روز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چار مردوں اور دو عورتوں کے سوا سب کو عام معافی دے دی اور فرمایا کہ ان کو قتل کر دو خواہ ان کو کعبہ کے پردوں سے چمٹ کر پناہ مانگتے پاؤ۔ ان کے نام تھے: عکرمہ بن ابوجہل۔ عبداللہ بن خطل۔ مقیس بن صبابہ اور عبداللہ بن ابی سرح۔

(۳) نیز مروی ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ......عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَعْدِ بْنِ أَبِيْ سَرْحٍ الَّذِيْ كَانَ عَلَى مِصْرَ كَانَ يَكْتُبُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَاَزَلَّهُ الشَّيْطَانُ فَلَحِقَ بِالْكُفَّارِ فَأَمَرَ بِهٖ اَنْ يُّقْتَلَ يَوْمَ الْفَتْحِ فَاسْتَجَارَ لَهٗ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ

فَأَجَارَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ۔

(سنن النسائی کتاب تحریم الدم باب توبة المرتد)

عبداللہ بن سعد بن ابی سرح جو (بعد میں) مصر کا گورنر بنا رسول اللہ ﷺ کے لئے وحی لکھا کرتا تھا۔ اسے شیطان نے پھسلا دیا اور وہ کفار کے ساتھ جا ملا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے روز حکم دیا کہ اسے قتل کر دیا جائے مگر حضرت عثمان نے انہیں پناہ دینے کی سفارش کی تو رسول اللہ نے ان کی درخواست قبول فرما کر اسے پناہ دیدی۔

یہ ہے اصل واقعہ مگر ان علماء کے استدلال کی رو سے تو یہ صورتحال بنتی ہے کہ گویا حضرت عثمانؓ کو فتح مکہ تک اس مسئلے کا علم ہی نہیں تھا کہ مرتد کی سزا قرآن کریم نے قتل قرار دی ہے۔ ایسے شخص کو تو پناہ دینا ہی جرم ہے اور قرآن کریم کے شدید منافی۔ یعنی استنباط کرنے والے اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ پر وہ کیسا گھناؤنا الزام لگا رہے ہیں۔ اس کو پہلے تو خود پناہ دی اور پھر اتنی جرأت کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اسے پیش کیا اور درخواست کی کہ اس کی بیعت لے لیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی جواباً یہ نہیں فرمایا کہ عثمان! یہ تم کیا حرکت کر رہے ہو؟ تمہیں علم نہیں کہ خدا کی حدود کے بارہ میں میں کیسی غیرت رکھتا ہوں؟ تمہیں یاد نہیں کہ جب ایک چوری کرنے والی کی سفارش مجھ سے کی گئی تھی تو میں نے خدا کی قسم کھا کر یہ کہا تھا کہ بخدا! اگر میری بیٹی فاطمہ نے بھی یہ حرکت کی ہوتی تو میں اس کے بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔

(ملاحظہ ہو بخاری کتاب الحدود باب اقامة الحدود علی الشریف والوضیع)

کیونکہ حدود اللہ میں کسی قسم کی رعایت جائز نہیں۔ تمہاری یہ جرأت کہ میرے سامنے

اس کی سفارش کر رہے ہو! ان سب باتوں کے باوجود ایک دفعہ بھی حضور نے یہ نہیں فرمایا بلکہ جب عثمان نے معافی کی درخواست کی تو آپ نے منہ پھیر لیا۔ دوسری دفعہ پھر درخواست کی۔ پھر خاموش رہے تیسری دفعہ پھر درخواست کی پھر خاموش رہے۔ اور چوتھی بار جب درخواست ہوئی تو ہاتھ بڑھایا اور رحمۃ للعالمین نے اس کی بیعت قبول فرمائی۔

(سنن النسائی کتاب تحریم الدم باب الحکم فی المرتد)

ایک اور واقعہ

اس واقعہ کے ساتھ ایک چھوٹا سا واقعہ اور ہوا ہے اسے بھی یہ علماء اپنے استنباط کی تائید میں پیش کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت قبول فرمالی تو پھر صحابہ سے شکوہ کیا کہ کیا تمہیں علم نہیں تھا کہ میں نے اس شخص کو ان لوگوں کی فہرست میں داخل کر دیا تھا جن کو میں نے معاف نہیں کیا؟ کیوں کس بات نے تمہیں روکا کہ اٹھتے اور اسے قتل کر دیتے؟ دو تین بار ایسا ہوا؟ صحابہ نے عرض کی یارسول اللہ! آپ آنکھ سے اشارہ فرما دیتے آپ نے فرمایا: یہ رسول کی شان کے خلاف ہے کہ وہ آنکھوں کی خیانت کا مرتکب ہو، جو بات کرتا ہے صاف کرتا ہے اور کھلی کرتا ہے۔ یعنی اگر میں نے اس کو مروانا ہوتا تو میں تمہیں کہتا کہ ماردو۔ میں ہرگز یہ بات نہیں کر رہا۔

افسوس کہ بعض علماء اس سیدھی بات سے ایک ٹیڑھا استدلال کرنے کی کوشش کر رہے ہیں ''خَائِنَۃَ اَعْیُن'' کا مرتکب نہ ہونے کا تو صاف یہ مطلب ہے کہ اس قسم کی حرکتیں میری اخلاقی عظمت کے خلاف ہیں۔ اگر میں چاہتا کہ اسے مروا دوں تو میں

تمہیں صاف کہہ دیتا کہ اٹھو اور اس کو مار دو۔ میں تو یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ وہ کیا بات تھی جو تمہیں روک رہی تھی کہ میرے ایک فیصلہ کا علم ہونے کے باوجود تم نے اس کے قتل سے اپنے ہاتھ روک لئے۔

سوال یہ ہے کہ اگر قرآن کریم کا واضح حکم ہوتا کہ مرتد کی سزا قتل ہے تو کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حدود میں رعایت کرنے والے تھے؟ ہرگز نہیں۔ ایک لمحہ کے لئے بھی آپ کے متعلق یہ سوچا نہیں جا سکتا کہ قرآن کی عائد کردہ حدود سے ادنیٰ سا بھی تجاوز فرماتے۔ زمین و آسمان ٹل جائیں لیکن ایسا ممکن نہیں۔

دوسری روایت

مولانا مودودی صاحب نے اپنی کتاب میں ایک اور حدیث کا بھی ذکر کیا ہے جس سے وہ قتل مرتد کا استنباط کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ :

''ایک عورت اُمّ رومان (یا اُمّ مروان) نامی مرتد ہوگئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اس کے سامنے پھر اسلام پیش کیا جائے۔ پھر وہ توبہ کر لے تو بہتر، ورنہ قتل کر دی جائے۔ (دارقطنی۔بیہقی)

بیہقی کی دوسری روایت اس سلسلے میں یہ ہے کہ **فَاَبَتْ اَنْ تُسْلِمَ فَقُتِلَتْ** اس نے اسلام قبول کرنے سے انکار کیا اس بنا پر قتل کر دی گئی۔''

(ارتداد کی سزا اسلامی قانون میں صفحہ ۱۷)

مگر نیل الاوطار میں امام محمد بن علی الشوکانی ان روایات کے بارہ میں فرماتے ہیں:

''قَالَ الْحَافِظُ: اِسْنَادُ هُمَا ضَعِيْفَان''

(نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار من احادیث سید الاخیار. لمحمد بن علی الشوکانی مصر. شرکة مصطفٰی البابی الحلبی. احکام الردة والاسلام باب قتل المرتد۔ جزء هفتم صفحه ۲۱۸)

یعنی ان دونوں حدیثوں کی سند ضعیف ہے۔

اسی طرح علامہ شمس الحق عظیم آبادی نے بھی اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ اس کی سند ضعیف ہے۔ چنانچہ لکھا ہے۔

"اِسنَادُھُمَا ضَعِیفَان"

(التعلیق المغنی علی الدار قطنی. القاھرۃ (مصر) دارالمحاسن للطباعة ١٩٦٦ء جزء ثالث جلد دوم کتاب الحدود والدیات. حدیث نمبر ١٢٢ صفحہ: ١١٩)

یعنی قابل اعتبار نہیں۔

جب قرآن سے کچھ نہیں ملا۔ جب صحیح قابل اعتماد حدیثوں سے کچھ نہیں ملا تو قتل کرنے کا ایسا جوش ہے کہ ایک حدیث جس کے متعلق اکثر جید علماء کہہ رہے ہیں کہ یہ ضعیف ہے اور قابل اعتبار نہیں ہے اسکا سہارا ڈھونڈھ کر قتل ضرور کرنا چاہتے ہیں۔

تیسری روایت

ایک اور حدیث مودودی صاحب نے پیش کی ہے کہ:

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یمن کا حاکم مقرر کر کے بھیجا۔ پھر اس کے بعد معاذ بن جبلؓ کو ان کے معاون کی حیثیت سے روانہ کیا۔ جب معاذ وہاں پہنچے تو انہوں نے اعلان کیا کہ لوگو! میں تمہاری طرف اللہ کے رسول کا فرستادہ ہوں۔ ابوموسیٰ نے ان کے لئے تکیہ رکھا تاکہ اس سے ٹیک لگا کر بیٹھیں۔ اتنے میں ایک شخص پیش ہوا جو پہلے یہودی تھا پھر مسلمان ہوا پھر یہودی ہو گیا تھا معاذ نے کہا: میں ہرگز نہ بیٹھوں گا جب تک یہ شخص قتل نہ کر دیا جائے۔ اللہ اور اس کے رسول کا یہی

فیصلہ ہے۔ معاذ نے یہ بات تین دفعہ کہی۔ آخرکار جب وہ قتل کر دیا گیا تو معاذ بیٹھ گئے‘‘۔ (ارتداد کی سزا اسلامی قانون میں۔ صفحہ ۱۴)

یہاں ایک طرف معاذ کہہ رہے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسول کا یہی فیصلہ ہے مگر یہ فیصلہ کب ہوا تھا کیا الفاظ تھے اس کے، اسکا معاذ کوئی ذکر نہیں کرتے۔ دوسری طرف اللہ کے کسی ایسے فیصلے کا کوئی ذکر قرآن کریم میں موجود نہیں اور نہ ہی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی فیصلہ کسی حدیث میں مذکور ہے کہ محض ارتداد کے نتیجہ میں کسی کو قتل کر دیا جائے اس لئے معاذ کے اس قول سے یہ استنباط کرنا زیادہ قرین قیاس ہے کہ یہ ان کا اپنا استدلال تھا۔ اسکی حیثیت ان کی ذاتی رائے کی ہے نہ کہ قرآن وحدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے۔

پھر اس واقعہ کے ساتھ کوئی تفصیل بیان نہیں ہوئی کہ یہودی کیوں لایا گیا؟ اس نے کیا حرکت کی تھی؟ ہر بات مبہم ہے اور امکانات واحتمالات موجود ہیں۔ اس بات کا امکان موجود ہے کہ وہ کسی اور شرارت میں پکڑا گیا ہو۔ اور اس بناء پر وہاں لایا گیا ہو۔ ہوسکتا ہے اس نے اسلام کے خلاف محاربت کی ہو۔ چونکہ یہ سارے واقعات مبہم ہیں اس لئے اس مبہم حدیث پر جس میں ایک صحابی کا صرف استنباط ہے بناء کرتے ہوئے اتنے اہم مسئلہ میں قرآن کی واضح آیات کے منافی فیصلہ کرنا ظلم ہے۔ یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ جہاں قرآن کریم کی نص صریح موجود ہو اس کے خلاف بظاہر مستند حدیث بھی مل جائے تو تقویٰ کا تقاضا ہے کہ اس ظاہری طور پر مستند حدیث کو رد کر دیا جائے جو کھلم کھلا قرآن کریم کی نص صریح سے ٹکراتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔

اس حدیث کی صرف یہی حیثیت نہیں بلکہ دوسری حدیثیں واضح طور پر اس

مضمون کی نفی کرتی ہوئی نظر آ رہی ہیں۔ جیسا کہ میں نے ایک اور حدیث آپ کے سامنے پیش کی ہے پھر یہ بھی ذکر نہیں کہ اس واقعہ کی اطلاع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کی گئی یا نہیں۔ اگر کی گئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس پر کیا ردعمل تھا؟ سو قرآن کریم کی آیات، سنت نبوی، تاریخ اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک مرتد کی موت تک مسلسل عمل کہ اس کے قتل کا حکم نہیں دیتے یہ سب کچھ ثابت کرتا ہے کہ اتنے واضح دلائل کے مقابل پر اس قسم کے کمزور استدلال کی کوئی بھی حیثیت نہیں ہے اور اتنے بڑے اہم عقیدہ کی اس پر بنیاد نہیں ڈالی جا سکتی۔

عہد صدیقی اور ارتداد

اب خلافت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ذکر کرتا ہوں۔ اکثر کتابیں جو ارتداد کی سزا قتل کے حق میں آپ پڑھیں گے ان میں آپ دیکھیں گے کہ علماء سرسری طور پر قرآن اور حدیث کی بحث کر کے بڑی تیزی کے ساتھ دور ابوبکرؓ میں داخل ہوتے ہیں اور اپنے عقائد کو سہارا دینے کے لئے وہاں پناہ ڈھونڈتے ہیں اور کہتے ہیں یہ سنت صدیقی ہے۔ سنت محمدی ان کو بھول جاتی ہے اور سنت صدیقی کی باتیں کرنے لگ جاتے ہیں۔

مزعومہ ''سنّت صدیقی'' کی حقیقت

حالانکہ ''سنّت صدیقی'' بھی وہ سنّت نہیں جو حضرت ابوبکر صدیقؓ کی طرف وہ منسوب کرتے ہیں۔ بلکہ تاریخ واضح طور پر اس بات کو جھٹلا رہی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کبھی کسی کو محض ارتداد کے جرم میں قتل کرایا ہو۔ یا کبھی کسی کو اس کے

مسلمان کہلانے کے باوجود، کلمہ پڑھنے کے باوجود، مسلمانوں کے قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کے باوجود، زکوٰۃ کا قائل ہونے کے باوجوداور زکوٰۃ ادا کرنے کے باوجود مرتد قرار دے کر قتل کرایا ہو۔ بلکہ امر واقعہ یہ ہے کہ آپ نے مرتدین میں سے صرف ان لوگوں کے خلاف لڑائی کی جنہوں نے ارتداد کے ساتھ ساتھ اسلامی حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ اور آپ کے گورنروں اور عمال کو ان کے علاقوں سے مار بھگا دیا اور مسلمانوں کو شدید تکالیف پہنچائیں اور انہیں بُری طرح قتل کیا تھا۔ آپؓ نے ان بدبختوں کے خلاف اس لئے جنگ کی کہ ان ظالموں نے ہی جنگ اور ظلم کی ابتدا کی تھی اور بے گناہ مسلمانوں کو تہہ تیغ کرنا شروع کر دیا تھا۔

مرتدین کی بغاوت کے تاریخی شواہد

چنانچہ کتب سیرت و تاریخ اس فتنہ ارتداد اور بغاوت کی تفاصیل یوں بیان کرتی ہیں:

ا۔ ''بغاوت اور ارتداد کا یہ فتنہ آگ کی طرح پھیلا اور چند روز میں عربستان کے اس سرے سے اس سرے تک دوڑ گیا۔ مرتدوں اور باغیوں نے اسلامی عمال کو نکال دیا۔ اپنے ہاں کے صادق الایمان مسلمانوں کو دردناک ایذائیں دیں اور بے رحمی سے قتل کیا۔''

(شیخ محمد اقبال ایم اے۔ داستان اسلام حصہ دوم۔ خلافت راشدہ۔ ۱۹۷۰ء مطبوعہ پنجاب پریس صفحہ ۳۳)

یہ واقعہ نہیں ہو رہا تھا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ارتداد کی خبر سن کر ان کو قتل کرنے کا حکم دیدیا۔ بلکہ وہ ظالم بدبخت مسلمانوں کو ارتداد کے جرم میں قتل کر رہے تھے کہ تم ہماری ملت سے پھر کر اسلام قبول کر چکے ہو واپس لوٹ آؤ ورنہ ہم تمہیں قتل کر دیں گے اور طرح طرح کی اذیتیں دے کر ارتداد کی سزا وہ دے رہے تھے۔ اس

سزا سے، اس ظلم سے روکنے کے لئے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فوج کشی فرمائی اور مسلّمہ اسلامی حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے کے جرم میں ان کے خلاف لشکر کشی کی۔ مصنف کہتے ہیں: ''جو جان بچا سکے بھاگ کر مدینہ میں پناہ گیر ہوئے۔ باغیوں نے اسی پر اکتفا نہ کیا، مرکز خلافت پر چڑھائی کی تیاریاں کرنے لگے۔ ان دنوں اتفاق سے عمروؓ بن العاص بحرین سے واپس آئے۔ انہوں نے دیکھا کہ یمن سے مدینہ تک مرتد افواج چھاؤنیاں ڈالے پڑی ہیں۔ دشمن کی افواج عرب کی ریگ کی طرح بے شمار تھیں اور مقابلہ پر مدینے کے فقط مٹھی بھر بے سروسامان مسلمان تھے۔''

(شیخ محمد اقبال ایم۔اے۔ داستان اسلام۔ حصہ دوم (خلافت راشدہ) ۱۹۷۰ء لاہور۔ مطبوعہ پنجاب پریس۔ صفحہ: ۲۳)

۲۔ ایک اور مؤرخ لکھتا ہے:

''آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ اٹھتے ہی عرب کے طول وعرض میں اللہ کے دین کے خلاف بغاوت کے نشان ابھرنے لگے۔ صرف مکہ، مدینہ اور طائف کے باشندے ثابت قدم رہے۔ بغاوت اور ارتداد کا یہ فتنہ جنگل کی آگ کی طرح پھیلا اور چند روز ہی میں عرب کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پہنچ گیا۔ مرتدوں اور باغیوں نے اسلامی عمال کو نکال دیا۔ سچے مسلمانوں کو بیدردی سے قتل کرنا شروع کر دیا۔ جو بچ سکے بھاگ کر مدینہ میں پناہ گزین ہوئے۔ کچھ طالع آزماؤں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابی کو دیکھ کر خانہ ساز نبوت کا ڈھونگ رچایا۔ مختلف قبائل میں کئی جھوٹے نبی پیدا ہو گئے (جن میں ایک مشہور شخص **طُلَیحہ بن خُوَیلِد** تھا) اس کا اصلی نام طلحہ تھا مسلمان اسکو تحقیراً طلیحہ کہتے تھے۔ یہ بنو اسد کے قبیلہ سے تھا جو قریش کا دیرینہ حریف تھا۔ طلیحہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی

زندگی ہی میں نبوت کا روپ دھار لیا تھا۔‘‘

یہ فقرہ توجہ کے لائق ہے۔ کہتے ہیں! دیکھو جھوٹے نبیوں کے خلاف حضرت ابوبکر نے کیسی چڑھائی کی؟ مگر یہ نہیں کہہ سکتے کہ دیکھو جھوٹے نبیوں کے خلاف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسی چڑھائی کی؟ بعض اور نبوت کے دعویداروں کے علاوہ طلیحہ نے بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قتل کا کوئی حکم نہیں دیا اور کسی بھی دعویدار نبوت کے خلاف فوج کشی نہیں کی جاتی تھی۔ افسوس یہ بگڑے ہوئے علماء ظلم پر ظلم کرتے چلے جا رہے ہیں۔ ذرا بھی خدا کا خوف نہیں کھاتے کہ اسلام پر کیسے گندے حملے کر رہے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر بھی حملہ کرنے سے نہیں چوکتے۔

’’لیکن اس وقت اسکا فریب نہ چلا۔ حضور ﷺ کی وفات کے بعد سارا قبیلہ اس کے دام میں آ گیا۔ اس نے نماز سے سجدہ موقوف کر دیا اس سے تکلیف ہوتی ہے زکوٰۃ بھی معاف کر دی۔ اس لئے منکرین زکوٰۃ اس کے حلقہ بگوش ہو گئے۔ طلیحہ نے ایک بہت بڑا لشکر مرتب کر کے مدینہ بھیجا‘‘ (لشکر بھی بھیجا ہے جب تک لشکر نہیں بھیجا اس وقت تک حضرت ابوبکر کو خیال بھی نہیں آیا کہ جھوٹے نبی کی سزا یہ ہے کہ اس کے خلاف قتال کرو) ’’حضرت صدیق لشکر کے مقابلہ کے لئے آئے۔ حملہ آور بھاگ نکلے‘‘۔

(اسلامی دستور حیات از غلام احمد حریری۔ لاہور۔ محمود ریاض پرنٹرز۔ ناشر ضیاء الحق قریشی۔ ۱۹۸۶ء صفحہ ۳۳۵۔۳۳۶)

۳۔ تاریخ ابن خلدون میں مذکورہ حالات کا خلاصہ یوں ہے:

قریش اور ثقیف قبیلہ کے علاوہ جملہ اہل عرب کے ارتداد کی خبریں مدینہ پہنچیں۔ مسیلمہ کی بغاوت کا مسئلہ نازک صورتحال اختیار کر گیا۔ اسی طرح

طیؑ اور اسد قبیلوں کے لوگ طلیحہ کے گرد جمع ہو گئے۔ غطفان قبیلہ بھی مرتد ہو گیا ہوازن قبیلہ کے لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔ یمن اور یمامہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کردہ والیان اور عمال کو باغیوں نے نکال دیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد) سفراء اور خط و کتابت کے ذریعہ بات چیت کر کے ان باغیوں کو سمجھانے کی کوشش کی اور اسامہ کی زیر نگرانی باہر گئے ہوئے لشکر کی واپسی کا انتظار کیا مگر باغیوں نے مدینہ پر حملہ کے لئے مدینہ کی طرف پیش قدمی شروع کر دی۔ مدینہ کے قریب پہنچ کر الابرق اور ذی القصہ مقام پر پڑاؤ ڈالا اور حضرت ابوبکرؓ کو پیغام بھیجا کہ ہمیں نماز بے شک پڑھوائیں مگر زکوٰۃ ادا کرنا معاف کر دیں۔ مگر حضرت ابوبکرؓ نے اس مطالبہ کو ماننے سے انکار فرما دیا۔ اور آپ نے مدینہ کے مختلف کناروں پر حضرت علیؓ، زبیرؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کو پہرہ کے لئے مقرر فرمایا۔ اہل مدینہ مسجد میں اکھٹے ہونے لگے۔ باغیوں کے وفد نے واپس جا کر اپنے ساتھیوں کو بتایا کہ مدینہ میں موجود مسلمانوں کی تعداد بہت تھوڑی ہے۔ اس پر باغیوں نے مدینہ کی اطراف پر حملہ کر دیا۔ جس پر حضرت ابوبکر مسجد میں اکھٹے ہونے والے مسلمانوں کو لے کر دشمن کے مقابلہ کے لئے اونٹوں پر نکلے۔ دشمن بھاگ نکلا مگر دوڑتے دوڑتے بھی اس نے مختلف ترکیبوں سے مسلمانوں کے اونٹوں کو بدکا دیا جس پر اونٹ واپس مدینہ کی طرف بے قابو ہو کر بھاگے۔ مسلمانوں کا کوئی جانی نقصان نہ ہوا مگر دشمن نے مسلمانوں کو کمزور سمجھا اور اپنے باقی باغی ساتھیوں کو پیغام بھیجا کہ مسلمان کمزور ہیں آ ؤ حملہ کریں۔ اس پر ابوبکرؓ مسلمانوں کو لے کر فجر ہوتے

ہی دشمنوں کے سر پر پہنچ گئے اور ان سے جنگ کی۔ سورج نکلنے سے قبل ہی دشمن پسپا ہو گیا۔ واپس جا کر بنوذبیان اور عبس قبائل نے اپنے علاقہ کے نہتے مسلمانوں کو قتل کرنا شروع کر دیا جس پر ابوبکر نے قسم کھائی کہ وہ ایک ایک مسلمان کا بدلہ لے کر رہیں گے"۔

(تاریخ ابن خلدون از عبدالرحمٰن ابن خلدون۔ زیر عنوان "الخلافۃ الاسلامیۃ ......" دارابن حزم، بیروت۔ الطبعۃ الاولیٰ ۲۰۰۳م۔ جلد اول صفحہ ۸۶۰، ۸۶۱)

۴۔ تاریخ طبری میں مذکورہ حالات کا خلاصہ یہ ہے:

"حضور کی بیماری کی خبر ہوتے ہی یہ اطلاع بھی پہنچی کہ مسیلمہ نے یمامہ پر اور اسود عنسی نے یمن پر قبضہ کر لیا ہے۔ طلیحہ نے بھی جلد ہی نبوت کا دعویٰ کر کے بغاوت کا علم بلند کیا اور فوج لے کر سمیراء مقام پر مسلمانوں سے لڑائی کے لئے نکلا۔ اس کے پیچھے بہت سے عوام ہو گئے اور اس کا معاملہ خطرناک صورت اختیار کر گیا۔ ادھر بنو ربیعہ نے بھی بحرین کے علاقہ میں بغاوت اور ارتداد کا اعلان کیا اور کہا کہ ہم بادشاہت کو دوبارہ آل منذر میں واپس لائیں گے اور انہوں نے منذر بن نعمان بن منذر کو اپنا بادشاہ بنایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گورنرز کی طرف سے جلد ہی یہ رپورٹس آئیں کہ ہر علاقہ میں خاص وعام نے بغاوت کر دی ہے اور باغی مسلمانوں پر طرح طرح کے مظالم ڈھا رہے ہیں۔

حضرت ابوبکرؓ نے بھی باغیوں کے ساتھ شروع میں بالکل اسی طرح بات چیت جاری رکھی جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفراء کے ذریعہ باغیوں سے مذاکرات فرماتے تھے۔ مگر عبس اور ذُبیان قبائل نے مدینہ پر

لشکر کشی کر دی اور اپنے ہاں کے نہتے مسلمانوں کو بُری طرح قتل کرنا شروع کر دیا۔ دوسرے قبائل نے بھی ایسا ہی کیا۔ اس پر حضرت ابوبکرؓ نے قسم کھائی کہ وہ ایک ایک مسلمان کے بدلہ ایک ایک باغی کو ماریں گے بلکہ زیادہ کو ماریں گے۔ پھر آپ نے ایسا ہی کیا۔ آپ نے خالد بن ولید کو پیغام بھیجا کہ تم ہر اس باغی کو جس نے کسی مسلمان کو قتل کیا پکڑتے ہی عبرت ناک طور پر قتل کر دو''

مرتدین کی چھاؤنیاں

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات سے قبل حضرت عمرو بن العاصؓ کو جیفر (عمان) کی طرف بھجوایا تھا۔ وہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد واپس لوٹے تو باغیوں کے حالات معلوم کرنے کے لئے مسلمان ان کے گرد جمع ہو گئے۔ انہوں نے بتایا کہ دبا سے لیکر مدینہ تک کے سارے راستہ میں مرتدین چھاؤنیاں ڈالے پڑے ہیں۔''

اسود عنسی کے حالات

''ارتداد و بغاوت کی ابتدا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے زمانہ میں اسود عنسی نے یمن کے علاقہ میں کی۔ مذحج قبیلہ اس کے ساتھ مل گیا اور اس کی بغاوت کا فتنہ جنگل کی آگ کی طرح پھیلنے لگا۔ اس کے ساتھ مل جانے والے باغیوں کی فوج میں پیادوں کے علاوہ سات سو گھڑ سوار تھے۔ اس نے اسلامی حکومت کے عمال کو دھمکی دی کہ: اے غاصبو! ہمارا ملک ہمارے حوالے کر دو۔ جو مال تم نے جمع کئے ہیں وہ بے شک لے لو مگر

ہماری سرزمین سے نکل جاؤ۔ پھر انہوں نے مسلمان عمال کو نکال کر ان کی جگہ عمرو بن حزم اور خالد بن سعید کو حاکم مقرر کر دیا۔ بعد ازاں اسود اپنی فوج لے کر صنعاء پر حملہ آور ہوا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کردہ عامل شہر بن باذان کو قتل کر کے صنعاء پر قابض ہو گیا اور دوسرے مسلمانوں کو قتل کیا۔ حضرت معاذ بن جبل نے بھاگ کر جان بچائی اور مآرب پہنچ کر حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ کو صورتحال سے باخبر کیا۔ یہ دونوں حضرموت کی طرف آ گئے اور یوں سارا ملک یمن اسود کے قبضہ میں آ گیا۔ اس کی حکومت وہاں قائم ہوگئی اور اس کی طاقت بڑھتی گئی۔ آخرکار یمامہ میں ایک معرکہ میں مسلمانوں نے اسے واصل جہنم کیا۔“

طلیحہ بن خویلد کے حالات

” طلیحہ نے نبوت کا دعویٰ کیا اور باغیوں کو ساتھ لے کر سمیراء مقام پر مورچہ بند ہوا۔ اس کے پیچھے اتنے لوگ آئے کہ ان کے لئے جگہ کم ہوگئی۔ انہوں نے دو ٹولیوں میں بٹ کر اپنے دفد مدینہ بھیجے۔ حضرت ابوبکر نے طلیحہ کے مطالبات ماننے سے انکار کر دیا۔ اس دفد نے جا کر اپنے ساتھیوں کو بتایا کہ مسلمانوں کی تعداد بہت کم ہے چلو ان پر حملہ کریں۔

حضرت ابوبکرؓ نے ان سے مذاکرات کے بعد مدینہ کی اطراف میں پہرہ کے لئے چھوٹے چھوٹے دستے مقرر فرما دیئے اور مسلمانوں سے کہا کہ سارے ملک میں ارتداد اور بغاوت کی وباء پھیلی ہوئی ہے اور مرتدین کے وفد نے ہماری تھوڑی تعداد کا اندازہ کر لیا ہے۔ اب کوئی پتہ نہیں کہ وہ رات ہی تم پر

حملہ کر دیتے ہیں یا دن چڑھنے کا انتظار کرتے ہیں۔ اس لئے پورے طور پر تیاری کرو۔

ابھی تین دن ہی گزرے تھے کہ باغیوں کے لشکر نے رات کے وقت مدینہ پر ہلہ بول دیا۔ حضرت ابوبکرؓ مسلمانوں کو لے کر مقابلہ پر نکلے اور دشمن کو پسپا کر دیا۔"

مسیلمہ کذّاب کے حالات

"اس کے ساتھ قبیلہ بنوحنیفہ کی اکثریت مل گئی اس نے یمامہ پر قبضہ کر کے وہاں سے رسول اللہ کے مقرر کردہ گورنر حضرت ثمامہ بن اثال کو نکال دیا۔ اس نے بڑی قوت پکڑ لی۔ سجاح نامی مدعیۂ نبوت اس سے لڑنے کے لئے نکلی۔ یہ اس سے ڈر گیا اور اس کے ساتھ مصالحت کر کے ان الفاظ میں اسے مسلمانوں کے خلاف جنگ پر اکسانے لگا۔

اگر قریش (مسلمان) عدل سے کام لیتے تو نصف ملک خود رکھتے اور نصف ہمارے حوالے کرتے مگر انہوں نے ہمارے ساتھ ظلم کیا ہے۔ کیا تم میرے ساتھ شادی کرو گی تا ہم دونوں مل کر اپنے قبیلوں کو لے کر سارے عرب قبائل کو نگل جائیں۔

چنانچہ وہ سجاح سے شادی کر کے مسلمانوں کے مقابلہ کو نکلا۔ اس کے لشکر کی تعداد چالیس ہزار تھی۔ حضرت خالد بن ولید نے اسکا مقابلہ کیا اور اسے شکست دی۔"

(تاریخ الطبری لمحمد بن جریر الطبری، ذکر بقیة خبر مسیلمة الکذاب وقومه من اهل الیمامة حالات ۱۱ھ)

(۵) اسی طرح تاریخ الخمیس میں بھی مذکور ہے۔

مسیلمہ کذاب کے ساتھ بنوحنیفہ کی اکثریت ہوگئی۔ وہ ثمامہ پر قابض ہوگیا اوراس نے رسول اللہ کے گورنر ثمامہ کو نکال باہر کیا۔ انہوں نے رسول اللہ کی خدمت میں پیغام بھجوایا۔ جب رسول اللہ فوت ہوگئے تو انہوں نے حضرت ابوبکرؓ کو اطلاع کی جس پر آپ نے حضرت خالد بن ولید کو ایک بڑے لشکر کے ساتھ مسیلمہ کے مقابلہ کے لئے روانہ فرمایا۔

(تاريخ الخميس لحسين بن محمد الدياربكرى قصة مسيلمة الكذاب)

پس صحابہؓ نے مسیلمہ کذاب اوراس کے قبیلہ بنوحنیفہ کے خلاف محض ارتداد کی بناء پر جنگ نہیں کی بلکہ بغاوت کے جرم کی وجہ سے کی تھی کیونکہ مسیلمہ باغی تھا اور مسلمانوں کے خلاف اس نے لشکر کشی کی تھی۔

(٦) پھر علامہ عینیؒ شارح صحیح البخاری لکھتے ہیں۔

اِنَّمَا قَاتَلَ اَبُوْبَکْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مَانِعِي الزَّکٰوةِ، لِاَنَّهُمُ اِمْتَنَعُوْا بِالسَّيْفِ، وَ نَصَبُوا الْحَرْبَ لِلْاُمَّةِ "

(عمدة القارى لعلامه محمود بن احمد العينى شرح البخارى. كتاب استتابة المرتدين و المعاندين و قتالهم باب قتل من ابٰى قبول الفرائض وما نسبوا الى الردة)

یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے زکوٰۃ دینے سے انکار کرنے والوں سے صرف اس لئے قتال کیا کہ انہوں نے تلوار کے ذریعہ سے زکوٰۃ روکی اور مسلمانوں کے خلاف جنگ برپا کی۔

عجیب بات

علاوہ ازیں تاریخ الطبری اور تاریخ ابن خلدون میں یہ بھی مذکور ہے کہ:

''جنگ کے بعد جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو باغیوں پر فتح حاصل ہوگئی تو ان میں سے بعض کو قید بھی کیا گیا۔ غلام بھی بنایا گیا''۔

(تاریخ الطبری، حوادث ۱۱ھ۔ صفحہ ۲۵۹ تا ۲۶۳، تاریخ ابن خلدون جلد اول ردة اهل عمّان و مهرة واليمن صفحہ ۸۷۱، ۸۷۲ مطبوعہ دارابن حزم بیروت الطبعة الاولی ۲۰۰۳م)

اگر مرتد کی سزا قتل تھی اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کی لشکر کشی کی یہی وجہ تھی اور اگر اسلام توبہ کے باوجود بھی مرتد کے لئے قتل کے سوا اور کوئی سزا تجویز نہیں کرتا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اس وقت یہ بات بھول کیوں گئی؟ کیا حق تھا ان کو کہ شریعت اسلامیہ کے اس واضح حکم کی خلاف ورزی کرتے کہ جن کے بارہ میں خدا کہتا ہے کہ لازماً تم نے ان کو قتل کرنا ہے اور تین دن سے زیادہ مہلت نہیں دینی، انہیں اس جرم میں پکڑنے کے باوجود، قابو میں کر لینے کے باوجود قتل نہیں کیا بلکہ غلام بنا لیا؟

ایک مرتدہ کا قتل

مولانا مودودی نے اُمّ قِرفہ نامی مرتدہ کا ذکر بھی کیا ہے اور کہا ہے کہ:

''حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں ایک عورت جس کا نام اُمّ قِرفہ تھا اسلام لانے کے بعد کافر ہوگئی۔ حضرت ابوبکر نے اس سے توبہ کا مطالبہ کیا مگر اس نے توبہ نہ کی حضرت ابوبکر نے اسے قتل کرا دیا۔''

(ارتداد کی سزا اسلامی قانون میں صفحہ ۱۸)

اور تاثر یہ دیا ہے کہ محض ارتداد کی وجہ سے اسے قتل کیا گیا تھا۔ حالانکہ اس میں جو واقعہ بیان ہوا ہے اس میں اسکا کوئی ذکر نہیں کہ محض ارتداد کی بنا پر اسے قتل کیا گیا ہو۔ مگر وہ اسی بات پر مصر ہیں کہ اُم قرفہ کا قتل بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ:

"اُمُّ قِرْفَةَ كَانَ لَهَا ثَلَا ثُوْنَ اِبْنًا وَ كَانَتْ تُحَرِّضُهُمْ عَلٰى قِتَالِ الْمُسْلِمِيْنَ، وَ فِي قَتْلِهَا كَسْرُ شَوْكَتِهِمْ"

(المبسوط لشمس الدّين السرخسى. طبع دوم. بيروت. دار المعرفة للطباعة و النشر جزء دهم صفحه: ١١٠)

اس عورت کے قتل کا حکم اس لئے دیا گیا تھا کہ اس کے تیس بیٹے تھے اور وہ ان تیس کے تیس بیٹوں کو ہر وقت مسلمانوں کے خلاف جنگ کی تحریک کرتی رہتی تھی، ابھارتی رہتی تھی۔ چنانچہ اس کے بیٹوں کی شوکت کو توڑنے کے لئے ان کی ماں کو قتل کروایا گیا کہ اگر یہ ماں اپنے بیٹوں کو اکساتی ہے اور اگر ان میں اتنی ہی طاقت ہے تو ہم ان کی ماں کو اس جرم میں قتل کرتے ہیں ان میں طاقت ہے تو روک کے دیکھ لیں اور اپنی ماں کو بچا لیں اور ان تیس کو قتل نہیں کروایا جو جنگ کا ذریعہ بنائے گئے تھے۔ یہ اس لئے کہ تا اگر ایک کے قتل سے شر رک سکتا ہے تو ایک ہی قتل ہو۔

علم درایت کی رو سے تو یہ روایت اس لئے بھی قابل قبول نہیں کہ تیس بچوں کی بوڑھی ماں ان کو اکسا رہی ہے جو خود مرتد تھے۔ اور ان مرتدوں کو پوچھا تک نہیں گیا بلکہ اس بڑھیا کو قتل کر دیا گیا۔

عہد فاروقی کی روایت

اب حضرت عمرؓ کے زمانے کے حالات پر آ جائیں۔ مولانا مودودی نے اس دور کی جو حدیث پیش کی ہے وہ یہ ہے:

''عمروؓ بن عاص حاکم مصر نے حضرت عمرؓ کو لکھا کہ ایک شخص اسلام لایا تھا پھر کافر ہو گیا۔ پھر اسلام لایا پھر کافر ہو گیا۔ یہ فعل وہ کئی مرتبہ کر چکا ہے اب اس کا اسلام قبول کیا جائے یا نہیں؟ حضرت عمر نے جواب دیا کہ جب تک اللہ تعالیٰ اس سے اسلام قبول کرتا ہے تم بھی کئے جاؤ۔ اس کے سامنے اسلام پیش کرو۔ مان لے تو چھوڑ دو ورنہ گردن مار دو۔ (کنزالعمال) ''

(ارتداد کی سزا اسلامی قانون میں۔ صفحہ ۱۸)

یہ جو آخری ٹکڑہ ہے ''گردن مار دو'' والا۔ اس سے استنباط کر رہے ہیں کہ دیکھو! مرتد کی سزا قتل تھی اس لئے آپ نے یہ فرمایا تھا۔

اگر مرتد کی سزا قتل کا حکم تھا تو حضرت عمرؓ جیسے شدت رکھنے والے خلیفہ کے لئے یہ ناممکن تھا کہ وہ جواب دیتے جو آپ نے دیا۔ سختی سے آپ سرزنش فرماتے کہ تم کون ہوتے ہو اس ارتداد کے بعد اسے دوبارہ موقع دینے والے کہ دوبارہ اسلام قبول کرے۔ اور ایک دفعہ نہیں دو دفعہ نہیں بارہا ایسا ہو چکا ہے اور پھر بھی تم باز نہیں آئے پھر بھی تم نے اسے قتل نہیں کیا؟ فرمایا جتنی بار اللہ نے اسے اجازت دی ہے دیتے چلے جاؤ۔ یعنی جتنی دفعہ بھی وہ تمہارے قابو میں آئے اور کہہ دے کہ میں اسلام لے آیا ہوں تم پر فرض ہو جائے گا کہ اسے چھوڑ دو۔ پھر اس پر تمہیں ہرگز کوئی اختیار نہیں رہتا۔

یہاں عمرؓ کا ایک استنباط ہے اور یہ استنباط بھی ان علماء کو دوسرے مسلمانوں کی جانوں پر کوئی حق عطا نہیں کرتا۔ وجہ یہ ہے کہ حضرت عمر فرماتے ہیں کہ وہ جب کہہ دے میں مسلمان ہو گیا باوجود اس پس منظر کے کہ وہ ہر دفعہ مرتد ہو جاتا ہے جتنی بار بھی کہے تم اس کو چھوڑتے چلے جاؤ۔ اس کا فیصلہ اسی پر رکھا ہے۔ اس کے اس قول کو ان سب باتوں کے باوجود قابل اعتماد قرار دیا ہے۔ اور کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ حضرت عمرؓ نے ان کو یہ کہا تھا چونکہ اس کا جھوٹ ثابت ہو گیا ہے چونکہ اس کی بدعہدی ثابت ہو گئی ہے اس لئے اب کی بار چاہے وہ کہے بھی کہ میں مسلمان ہوتا ہوں تب بھی تم نے اس کی بات نہیں ماننی۔

اس لئے اس حدیث سے قتل مرتد کا جواز اور یہ جواز کہ توبہ کرے بھی تو اس کو معاف نہیں کرنا اور جب بھی کوئی ارتداد کرے اسی وقت اسے قتل کر دو کہاں سے نکل آیا؟

صحت روایات جانچنے کا پیمانہ

دوسرے وہ اصول اپنی جگہ قائم ہے، ہرگز اس پر کوئی اثر نہیں پڑا کہ جو حدیثیں یا آثار (اور یہ حدیث آثار میں سے ہے کیونکہ حضرت عمرؓ کا اپنا ایک استنباط ہے) اگر حضرت عمرؓ کا استنباط ہو یا تمام صحابہ کا بھی (نعوذ باللہ من ذلک) جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مستمرہ کے خلاف ہو اور قرآن کی واضح آیات کے خلاف ہو تو وہ قابل التفات نہیں۔ ایسی صورت میں ہم راوی کو جھوٹا قرار دیں گے نہ کہ نعوذ باللہ حضرت عمر کو غلط استنباط کرنے والا کیونکہ ناممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پروردہ یہ بزرگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو نظر انداز کر چکے ہوں۔ اس لئے ایسی حدیثیں پایۂ اعتبار سے گر جاتی ہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ ہم

حضرت عمر کی بات نہیں مانتے۔ مراد یہ ہے کہ چونکہ واضح طور پر یہ حدیث یا اثر قرآن وسنت سے ٹکرا رہا ہے اس لئے راوی غلط ہے کسی کو یا غلط فہمی ہوئی ہے یا کسی نے جھوٹ بولا ہے۔

مرتد لڑائی کرنے والا تھا

دوسری بات یہ ہے کہ اس شخص کے متعلق یہ وضاحت ملتی ہے کہ وہ حالت جنگ میں پکڑا گیا تھا اور یہاں ایک اور استدلال ہے وہ شخص جو حالت جنگ میں پکڑا جائے اور حاکم وقت یا فاتح جرنیل نے یہ فیصلہ کیا ہو کہ ہم اسے قتل کریں گے کیونکہ اس نے ہم سے جنگ کی ہے اور ہمارے ساتھیوں کو قتل کیا ہے (حاکم وقت یا فاتح جرنیل کو یہ قانونی حق حاصل ہے معاف کرنے کا بھی یا قتل کر دینے کا بھی) اب اگر وہ گرفتار شدہ شخص جان بچانے کے لئے اسلام قبول کر لے تو پھر جس وقت بھی وہ اسلام سے پھرتا ہے وہ اپنے آپ کو گویا قتل کے لئے پیش کر دیتا ہے کیونکہ صاف پتہ چلے گا کہ قتل کا فیصلہ جو جائز تھا اس کی تلوار بہرحال لٹکی رہے گی۔ دھوکہ دے کر جائز فیصلے سے بچنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ یہ ایک اور مضمون ہے۔ اسکا ارتداد کے ساتھ بالکل کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔

عہد علیؓ کی روایت

اب ہم حضرت علیؓ کے دور میں داخل ہو جاتے ہیں۔ وہاں بھی ایک بڑی خطرناک قسم کی نظر آنے والی حدیث (با اثر کہنا چاہیئے جس کے ساتھ ایک حدیث بھی منسلک ہے) پیش کی جاتی ہے اور اس حدیث کی سند بظاہر بڑی مضبوط ہے لیکن اس کے متعلق میں آگے جا کر بحث کروں گا۔ حدیث یہ ہے:

عَنْ عِكْرِمَةَ قَالَ: أُتِيَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ بِزَنَادِقَةَ، فَأَحْرَقَهُمْ فَبَلَغَ ذٰلِكَ بْنَ عَبَّاسٍ، فَقَالَ: لَوْ كُنْتُ اَنَا لَمْ أُحْرِقْهُمْ، لِنَهْيِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ: لَا تُعَذِّبُوْا بِعَذَابِ اللّٰهِ– وَ لَقَتَلْتُهُمْ لِقَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ: "مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهُ فَاقْتُلُوْهُ۔

(صحيح البخارى كتاب استتابة المرتدين والمعاندين و قتالهم باب حكم المرتد و المرتدة واستبانهم)

کہ عکرمہ سے روایت ہے کہ حضرت علیؓ کے پاس زندیق لوگ لائے گئے۔ ان زندیقوں کو حضرت علیؓ نے زندہ آگ میں جلا دینے کا حکم دیا۔ جب حضرت ابن عباسؓ نے سنا تو یہ ردعمل ظاہر کیا کہ کہا اگر میں ہوتا تو ہرگز ایسا نہ کرتا کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح طور پر ہمیں اس عذاب کے دینے سے منع فرمایا ہے جو عذاب اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے خاص کیا ہے یعنی آگ کا عذاب۔ میں انہیں قتل کر دیتا کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: کہ جو اپنے دین کو بدل دے اسے قتل کردو۔

روایت کی چھان بین

یہ بظاہر سب سے مضبوط استدلال رکھنے والی حدیث ہے جو صحاح ستہ میں سے بخاری، ترمذی، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ میں آئی ہے۔ اس حد تک اس کی صحت ہے مگر کسی روایت کی صحت کا اندازہ صرف اس کے صحاح ستہ میں مذکور ہونے سے نہیں لگایا جاتا بلکہ بعض اور پیمانے بھی ہیں اس کی صحت جانچنے کے۔ ان میں ایک اہم معیار یہ ہے کہ روایوں کی شخصیت اور ان کے تسلسل کے بارہ میں گہری

چھان بین کی جائے۔

بڑے بڑے علماء کرام جنہوں نے روایات کی صحت کے بارہ میں تحقیقات کے لئے اپنی زندگیاں صرف کر دیں، انہوں نے عکرمہ کی اس روایت کے بارہ میں فیصلہ دیا ہے کہ یہ روایت ''غریب'' اور ''احاد'' روایات میں آتی ہے یعنی اس کا راوی صرف ایک عکرمہ ہی ہے۔

اور مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ کی رائے ہے کہ ''چونکہ امام بخاری نے عکرمہ سے روایت کی ہے اس لئے دوسرے محدثین نے بھی اس کی روایت قبول کر لی بغیر اس کے کہ وہ خود اس کے بارہ میں تحقیق کرتے۔''

(الرفع والتکمیل فی جرح والتعدیل صفحہ ۷۔ طبع قدیم۔لکھنو)

یہ تو ممکن ہے کہ ایک ہی راوی سے مروی روایت صحیح اور معتبر حدیث ہو مگر وہ روایت ایسی حدیث صحیح کے پائے کو نہیں پہنچ سکتی جو کئی راویوں سے مروی ہو۔ اس لئے ایسی احاد روایات پر ایسے امور کے بارہ میں بناء نہیں کی جا سکتی جو حقوق و ذمہ داریوں اور واجبات اور سزاؤں سے تعلق رکھتے ہوں۔ خصوصاً حدود کے مسائل کے بارہ میں یعنی وہ سزائیں جن کو خود قرآن نے مقرر کیا ہے لہٰذا ایسے نازک اور حساس مسئلہ کے بارہ میں ایسی حدیث احاد پر بناء نہیں کی جا سکتی خواہ وہ بعض علماء کے نزدیک صحیح ہی کیوں نہ ہو۔

راوی خارجی ہے

پھر ہمیں راوی عکرمہ اور اس کی شہرت کے بارہ میں مزید چھان بین کرنا ضروری ہے۔ جب اس روایت کو اس معیار سے پرکھتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ اس کا

راوی عکرمہ خارجی اور حضرت علیؓ کا دشمن تھا۔ چنانچہ رجال حدیث کی بڑی اور اہم کتب میں اس کے بارہ میں لکھا ہے کہ یہ ایسا کمینہ اور خبیث شخص تھا کہ مسلمانوں نے اس کا جنازہ تک نہیں پڑھا۔ اسی وجہ سے ایسے علماء حدیث نے جن کو روایات کی صحت جانچنے کے بارہ میں یدطولیٰ حاصل تھا یہ فیصلہ دیا ہے کہ اس روایت کی کوئی قیمت نہیں کیونکہ اس کا راوی زندیق اور خارجی تھا اور حضرت علیؓ کے دشمنوں کا حامی تھا خصوصاً ان ایام میں جب حضرت علیؓ اور حضرت ابن عباسؓ کے درمیان اختلافات شروع ہوئے۔

عباسی دور میں عکرمہ نے ایک نیک اور خدا ترس عالم کے طور پر بڑی شہرت اور تعظیم حاصل کر لی تھی اور یہ بات واضح ہے کہ اس شہرت کا باعث، حضرت علیؓ کی مخالفت اور عباسیوں کی حمایت تھا جو سیاست کی وجہ سے ہر اس شخص اور چیز کی مخالفت کرتے تھے جسکا تعلق اولادِ علیؓ سے ہو۔

عمومی طور پر دیکھا گیا ہے کہ قتل مرتد کی روایات نے دراصل بصرہ، کوفہ اور یمن میں رونما ہونے والے واقعات سے جنم لیا ہے کیونکہ اہل حجاز یعنی مکہ و مدینہ والے اس روایت سے بالکل لاعلم نظر آتے ہیں۔

پھر اس حقیقت کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ عکرمہ کی اس روایت کے راوی عراقی ہیں اور اس ضمن میں قارئین کو امام طاؤس بن کیسان کا یہ قول نہیں بھولنا چاہئے کہ:

”اگر کوئی عراقی تجھے سو حدیثیں بتائے تو ان میں سے ۹۹ کو تو بالکل پھینک دو اور باقی کے بارہ میں بھی شک ہی کرو“۔

جہاں تک عکرمہ کے خارجی، غیر ثقہ اور کذاب ہونے کا تعلق ہے تو اس ضمن

میں کتب الرجال کی بڑی بڑی تالیفات سے درج ذیل شواہد آپ کے سامنے پیش ہیں:

ا۔ الذّہبی کہتے ہیں:

''ہمیں **الصلت ابو شعیب** نے بتایا کہ میں نے محمد بن سیرین سے عکرمہ کے بارہ میں دریافت کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ مجھے اس بات سے کوئی تکلیف نہیں کہ وہ اہل جنت میں سے ہو مگر یہ حقیقت ہے کہ وہ بہت ہی زیادہ جھوٹ بولنے والا ہے۔''

الذّہبی مزید کہتے ہیں۔

''یعقوب بن الحضرمی اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بتایا ہے کہ ایک بار عکرمہ مسجد کے دروازے پر کھڑا ہو کر کہنے لگا کہ اس مسجد میں موجود سب لوگ کافر ہیں۔ عکرمہ اِبّاضیہ فرقہ کے خیالات رکھتا تھا۔''

الذّہبی مزید فرماتے ہیں:

''**ابن المسیّب** نے اپنے غلام بُرد سے کہا کہ میری طرف منسوب کر کے جھوٹی روایات بیان نہ کرنا جیسے عکرمہ، ابن عباس کی طرف جھوٹی روایات منسوب کرتا ہے۔''

(میزان الاعتدال فی نقد الرجال لمحمد بن احمد بن العثمان الذھبی ۔ عکرمة مولی ابن عباسؓ)

ب: ایک اور محقق لکھتے ہیں۔

''عبداللہ بن الحارث کہتے ہیں کہ میں علی بن عبداللہ بن عباس کے ہاں گیا تو دیکھا کہ باب الحش کے سامنے عکرمہ پا بہ زنجیر پڑا ہے۔ میں نے علی کو کہا کیا

تمہیں خوف خدا نہیں؟ علی کہنے لگے: یہ خبیث (عکرمہ) میرے والد صاحب کے نام پر جھوٹی روایات بیان کرتا پھرتا ہے"

نیز لکھتے ہیں:

"وُھَیب روایت کرتے ہیں کہ میں یحیٰ بن سعید انصاری اور ایوب کے پاس تھا کہ انہوں نے عکرمہ کا ذکر کیا۔ اس پر یحیٰ بن سعید نے کہا کہ عکرمہ کذاب تھا"

(الضعفاء الکبیر لحافظ ابی جعفر محمد بن عمر بن موسی بن الحماد المکی دارالکتب العلمیة، بیروت طبع اول ۱۹۸۴ء السِفر الثالث ص ۳۷۳، ۳۷۴)

ج۔ حضرت ابن حجر العسقلانی لکھتے ہیں:

* یحیٰ بن معین نے کہا: امام مالک بن انس نے عکرمہ سے صرف اس وجہ سے روایات بیان نہیں کی ہیں کہ وہ صفریہ فرقے کے خیالات رکھتا تھا۔

* عطاء کہتے ہیں کہ وہ (عکرمہ) اِبَّاضیہ فرقے سے تعلق رکھتا تھا۔

* الجوزجانی کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد سے پوچھا کہ کیا عکرمہ اباضی تھا؟ انہوں نے کہا: کہا جاتا ہے کہ وہ صفری تھا۔

* مصعب الزبیری کے نزدیک عکرمہ خارجی خیالات کا حامل تھا۔

* ابراہیم بن منذر نے معن بن عیسیٰ اور دوسرے لوگوں سے روایت کی ہے کہ امام مالک عکرمہ کو ثقہ خیال نہ کرتے تھے اور حکم دیتے تھے کہ اس کی بیان کردہ روایات قبول نہ کی جائیں۔

* میں نے اہل مدینہ میں سے بعض کو یہ کہتے سنا ہے کہ عکرمہ اور عِزہ نامی لڑکی کے عاشق کُثَیر کی میتیں ایک ہی دن میں مسجد کے دروازے کے

سامنے لائی گئیں۔لوگوں نے کُثَیر کا جنازہ تو پڑھ لیا مگر عکرمہ کا جنازہ بہت کم لوگوں نے پڑھا۔احمد سے بھی اس مفہوم کی روایت بیان ہوئی ہے۔

* ہشام بن عبداللہ المخزومی کہتے ہیں کہ میں نے ابن ابی ذئب کو کہتے سنا کہ عکرمہ غیر ثقہ تھا اور میں نے اسے دیکھا ہوا ہے"

(تهذيب التهذيب، لامام حافظ شهاب الدين احمد بن حجر العسقلانی، عكرمة البربری ابوعبدالله المدنی مولٰی ابن عباس)

پس ایک ایسی روایت پر بنا کرنا جس کے بارہ میں واضح طور پر ثابت ہو کہ اس کا راوی سخت جھوٹا تھا اور حضرت علیؓ کا شدید دشمن تھا قطعاً جائز نہیں۔

داخلی شہادت

پھر جب ہم روایت کے الفاظ کی چھان بین کرتے ہیں تو اس کوئی لحاظ سے غلط پاتے ہیں۔

ا۔اس میں شک نہیں کہ حضرت ابن عباسؓ کا اپنا ایک مقام ہے۔مگر حضرت علیؓ کے مقام کا مقابلہ تو وہ نہیں کر سکتے تھے۔وہ خلیفۃ الرسول تھے۔خدا نے ان کو خلافت کے لئے چنا تھا۔یہ ممکن نہیں تھا کہ حضرت ابن عباسؓ کو تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کا پاس ہو اور حضرت علیؓ کو پاس نہ ہو۔اگر ہم روایت کو درست بھی مان لیں تب بھی ابن عباس کا طرز بیان ہی بتا رہا ہے کہ وہ اس خبر کی تصدیق ہی نہیں کرتے۔وہ کہتے ہیں: میں اپنے متعلق سوچ کر دیکھتا ہوں تو میں کبھی ایسا کرنے کے لئے تیار ہی نہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ واضح حکم تھا حضرت علیؓ کب ایسا کر سکتے ہیں۔

اس لئے حضرت علیؓ کے متعلق ایسی ذلیل بات منسوب کرنا کہ انہوں نے زندہ جلا دیا یہ بالکل جھوٹ ہے اور قطعی جھوٹ ہے کیونکہ آپ کے ایک شدید دشمن کی طرف سے مروی ہے جو حضرت علیؓ پر بہتان بازی کرنا چاہتا ہے چنانچہ اس بات کی تصدیق ایک دوسری روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں عکرمہ بتاتا ہے کہ جب حضرت علیؓ کو حضرت ابن عباسؓ کے اس ردعمل کی خبر پہنچی تو آپ نے سخت برہم ہو کر کہا: ''وَیْحَ ابن عباس'' کہ خدا ابن عباس کو غارت کرے۔

(سنن ابی داؤد کتاب الحدود باب الحکم فیمن ارتد)

مَنْ بَدَّلَ دِیْنَہٗ فَاقْتُلُوْہُ کے اصل معنی

۲۔ پھر ''مَنْ بَدَّلَ دِیْنَہٗ فَاقْتُلُوْہُ'' کا جملہ عمومیت رکھتا ہے اور اس کے کئی معنے کئے جا سکتے ہیں۔ چنانچہ لفظ ''مَن'' مرد عورتوں اور بچوں سب پر اطلاق پاتا ہے۔ مگر کئی فقہاء ایسے ہیں جنہوں نے مرتد عورت کے قتل کو ناجائز قرار دیا ہے۔

۳۔ پھر ''دِیْنَہٗ'' میں لفظ ''دِیْن'' سے کوئی بھی دین مراد لیا جا سکتا ہے صرف اسلام ہی مراد نہیں لیا جا سکتا۔ بت پرستوں کے دین کو بھی قرآن میں دین کہا گیا ہے۔ (سورۃ الکافرون)

ان احتمالات کے ہوتے ہوئے ایسی روایت کو صرف ایسے مسلمان سے جو اپنا دین بدل دے مخصوص کر دینا کس طرح ممکن ہے؟ قانون کی حساس و باریک زبان کو مدنظر رکھتے ہوئے اس روایت کی رو سے تو ہر اس انسان کو جو اپنا دین بدلے قتل کیا جائے گا خواہ اس کا کوئی بھی دین ہو۔ پھر تو ہر وہ یہودی جو عیسائی ہو جائے قتل کیا جائے گا اور ہر وہ عیسائی جو مسلمان ہو قتل کیا جائے گا اور ہر وہ مشرک جو کوئی اور دین

اختیار کرے قتل کیا جائے گا!!

پھر لفظ ''مَن'' اسلامی حکومت کی حدود سے باہر بھی اطلاق پائے گا یعنی ہر وہ شخص جو اپنا دین بدلے قتل ہو گا خواہ اسلامی حکومت سے باہر آسٹریلیا میں رہتا ہو یا افریقہ اور جنوبی امریکہ کے جنگلوں میں!! نیز سوچیے کہ اسلام خود تو اپنے پیروکاروں کو یہ تلقین کرتا ہے کہ دوسرے لوگوں کو دین اسلام کی طرف بلاؤ حتی کہ وہ ہر مسلمان سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ مبلغ اور داعی اللہ بنے مگر دوسرے مذاہب کے بارہ میں کیا ہو گا؟ کیا ان کو بھی تبلیغ کا ویسا ہی حق حاصل ہو گا جیسا اسلام کو ہے؟ قتل مرتد کے غیرانسانی اور بدعتی نظریہ کے حامی حضرات یہ نہیں سوچتے کہ مختلف قوموں اور مذاہب کے باہمی انسانی تعلقات پر اس نظریہ کے کیسے بدنتائج پڑیں گے؟ وہ کیوں نہیں سمجھتے کہ اگر اس نظریہ کو درست مانا جائے تو پھر دوسرے لوگوں کو تو اپنا دین بدلنے کی اجازت ہو گی مگر مسلمان کو اپنا دین چھوڑنے کا حق نہ ہو گا اور اسلام کو تو یہ حق ہو گا کہ دوسرے مذاہب کے پیروکاروں کا دین بدلے مگر دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کو قطعاً یہ حق نہ ہو گا کہ اسلام کے پیروکاروں کو دوسرے عقائد کا قائل کریں؟ اسلام کے عدل وانصاف کو کیسی بھیانک شکل میں یہ لوگ دنیا کے سامنے پیش کر رہے ہیں! لہٰذا اس روایت سے قتل مرتد کا استدلال کرنا بالکل غلط ہے کیونکہ اس کا مفہوم غیر واضح ہے۔ اس کا راوی کذاب، فاسق اور خارجی ہے جو حضرت علیؓ پر تہمت لگا رہا ہے کہ آپ نے زندیقوں کو زندہ جلوا دیا اور اگرچہ حضرت امام بخاری کو علم نہ ہو سکا مگر آپ کے بعد کے محدثین نے ثابت کیا ہے کہ وہ خارجی اور حضرت علیؓ کا دشمن تھا اور اس کا فسق اور خباثت اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ مسلمانوں نے اسکا جنازہ تک پڑھنا گوارا نہ کیا۔

اب اس موضوع پر چند مزید احادیث پیش کرتا ہوں۔

(ا) ”عَنْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لا يَحِلُّ دَمُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ يَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَ أَ نِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ إِلَّا بِاِحْدَی ثَلاثٍ– اَلنَّفْسُ بِالنَّفْسِ، وَالثَّيِّبُ الزَّانِیُ، وَالْمُفَارِقُ لِدِيْنِهٖ، اَلتَّارِكُ لِلْجَمَاعَةِ۔

(بخاری کتاب الدّيات باب قول الله تعالٰی: ان النفس بالنفس.....)

یعنی عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی ایسے مسلمان کا خون کرنا جو گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں (محمد) اللہ کا رسول ہوں ہرگز جائز نہیں سوائے تین صورتوں کے۔ اول یہ کہ اس نے کسی جان کو قتل کیا ہو جس کے بدلہ میں اسے قتل کیا جائے۔ دوم یہ کہ وہ ایسا شخص ہو جو باوجود شادی شدہ ہونے کے زنا کا مرتکب ہوا ہو۔ سوم یہ کہ وہ دین سے نکل جائے اور جماعت کو چھوڑ دے۔

(ب) حَدَّثَنِیْ أَبُوْ قِلابَةَ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيْزَ أَبْرَزَ سَرِيْرَهُ يَوْمًا لِلنَّاسِ ثُمَّ أَذِنَ لَهُمْ فَدَخَلُوا......قَالَ لِی مَا تَقُوْلُ يَا أَبَا قِلابَةَ؟......قُلْتُ: فَوَاللّٰهِ مَا قَتَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أَحَدًا قَطُّ إِلَّا فِی إِحْدَی ثَلاثِ خِصَالٍ، رَجُلٌ قَتَلَ بِجَرِيْرَةِ نَفْسِهٖ فَقُتِلَ، اَوْ رَجُلٌ زَنَی بَعْدَ إِحْصَانٍ أَوْ رَجُلٌ حَارَبَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَارْتَدَّ عَنِ الإِسْلامِ– فَقَالَ الْقَوْمُ: أَوَ لَيْسَ قَدْ حَدَّثَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ: اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَطَعَ فِی السَّرَقِ وَ سَمَرَ الاَعْيُنَ ثُمَّ نَبَذَهُمْ فِی الشَّمْسِ؟ فَقُلْتُ أَ نَا أُحَدِّثُكُمْ حَدِيْثَ أَنَسٍ، حَدَّثَنِی أَنَسٌ أَنَّ نَفَرًا

مِنْ عُكْلٍ ثَمَانِيَةً قَدِمُوا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَبَايَعُوْهُ عَلَى الإِسْلَامِ فَاسْتَوْخَمُوا الْاَرْضَ، فَسَقِمَتْ أَجْسَامُهُمْ فَشَكَوْا ذٰلِكَ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: أَفَلَا تَخْرُجُوْنَ مَعَ رَاعِيْنَا فِي إِبِلِهٖ فَتُصِيْبُوْنَ مِنْ أَلْبَانِهَا وَ اَبْوَالِهَا؟ قَالُوا: بَلٰى- فَخَرَجُوْا فَشَرِبُوْا مِنْ أَلْبَانِهَا وَ أَبْوَالِهَا فَصَحُّوْا فَقَتَلُوْا رَاعِيَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَ أَطْرَدُوْا النَّعَمَ- فَبَلَغَ ذٰلِكَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ، فَأَرْسَلَ فِي آثَارِهِمْ فَأُدْرِكُوْا- فَجِيْءَ بِهِمْ، فَاَمَرَبِهِمْ فَقُطِّعَتْ أَيْدِيهِمْ وَ أَرْجُلُهُمْ وَ سَمَرَ أَعْيُنَهُمْ ثُمَّ نَبَذَهُمْ فِي الشَّمْسِ حَتّٰى مَاتُوْا- قُلْتُ وَاَيُّ شَيْءٍ أَشَدُّ مِمَّا صَنَعَ هٰٓؤُلَاءِ؟ اِرْتَدُّوْا عَنِ الاِسْلَامِ وَ قَتَلُوْا وَ سَرَقُوْا-''
(بخاری کتاب الدیات باب القَسَامَةِ)

ابوقلابہ بیان کرتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز نے ایک روز باہر دربار لگایا اور لوگوں کو ملنے کے لئے بلایا لوگ آپ کے پاس آئے ایک کیس کے بارہ میں آپ نے مجھے فرمایا: ابوقلابہ تمہاری کیا رائے ہے؟ میں نے عرض کی: خدا کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوائے درج ذیل تین قسم کے مجرموں کے کسی کو قتل نہیں فرمایا۔ ایک تو وہ جو دوسرے کو اپنے نفس کے جوش کی وجہ سے قتل کرے۔ دوسرا وہ جو شادی شدہ ہونے کے باوجود زنا کا ارتکاب کرے۔ تیسرا وہ جو مرتد ہو کر اللہ اور اس کے رسول کے خلاف جنگ کے لئے نکلے۔ اس پر موجود لوگوں نے کہا۔ کیا حضرت انس سے مروی نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چوری کے جرم میں ہاتھ کاٹنے اور آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیرنے اور پھر دھوپ میں تڑپ تڑپ کر مرنے

کی سزا دی؟ اس پر میں نے کہا کہ میں تمہیں انس والی اصل روایت بتا تا ہوں۔ انس نے خود مجھ سے بیان کیا تھا کہ عُکل قبیلہ کے آٹھ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کر کے اسلام لائے۔ مگر انہیں اس زمین (یعنی مدینہ) کی آب وہوا راس نہ آئی اور ان کے جسم بیماری کی وجہ سے کمزور پڑ گئے۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کی۔ آپ ﷺ نے انہیں فرمایا آپ لوگ ہمارے چرواہے کے ساتھ ہماری اونٹوں کی چراہ گاہ پر چلے جائیں اور ان کے دودھ اور پیشاب استعمال کریں۔ انہوں نے کہا ٹھیک ہے۔ چنانچہ وہ چراہ گاہ پر چلے گئے۔ وہاں اونٹوں کے دودھ اور پیشاب پینے سے جب ان کو صحت ہوگئی تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چرواہے کو قتل کر دیا اور اونٹ ہانک کر لئے گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کی خبر ہوئی تو آپ نے ان لوگوں کو پکڑنے کے لئے ان کے پیچھے آدمی دوڑائے جنہوں نے انہیں جا لیا۔ جب یہ لوگ آپ کے سامنے حاضر کئے گئے تو آپ نے انہیں سزا دینے کا حکم دیا چنانچہ ان کے ہاتھ اور پاؤں کاٹے گئے اور ان کی آنکھوں میں سلائیاں پھیری گئیں۔ پھر انہیں دھوپ میں پھینک دیا گیا یہاں تک کہ وہ اسی حالت میں مر گئے۔

میں نے کہا: کیا ان کے جرم سے بڑھ کر بھی کوئی جرم ہوسکتا ہے جس کی انہیں سزا دی گئی۔ انہوں نے اسلام سے مرتد ہونے کے بعد قتل کیا اور چوری بھی کی۔

(ج): **عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِئٍ**

مُسْلِمٍ يَشْهَدُ اَنْ لَّااِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰه اِلَّا فِیْ اِحْدَیٰ ثَـلَاثٍ: رَجُلٌ زَنٰی بَعْدَ اُحْصَانٍ فَاِنَّهٗ یُرْجَمُ، وَ رَجُلٌ خَرَجَ مُحَارِبًا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ فَاِنَّهٗ یُقْتَلُ اَوْ یُصَلَّبُ اَوْ یُنْفٰی مِنَ الْاَرْضِ ، اَوْ یَقْتُلُ نَفْسًا فَیُقْتَلُ بِهَا۔ (ابوداؤد کتاب الحدود باب الحکم فیمن ارتد)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی مسلمان کا جو ''**لا اله الا اللّٰه محمّد رسول اللّٰه**'' کی گواہی دیتا ہو سوائے تین وجوہ کے خون بہانا حرام ہے۔ یا وہ ایسا شخص ہو جس نے شادی شدہ ہونے کے باوجود زنا کیا ہو۔ ایسے شخص کو سنگسار کیا جائے گا۔ یا ایسا شخص ہو جو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرنے نکلا ہو ایسے شخص کو یا قتل کیا جائے یا صلیب دے کر مار دیا جائے گا یا ملک بدر کیا جائے گا۔ یا ایسا شخص ہو جس نے کسی جان کا ناحق خون کیا ہو۔ اسے مقتول کے بدلے قتل کیا جائے گا۔

لغت میں قتل کے مجازی معنی

پھر لغت کی کتب میں قتل مجازی معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ عربی زبان کے جید علماء نے لکھا ہے:

وَ مِنَ الْمَجَازِ: قَتَلَ الشَّیْئَ خَبَرًا أَوْ عِلْمًا– اَیْ عَلِمَهٗ عِلْمًا تَآمًّا–

وَ قَتَلَ الشَّرَابَ: اِذَا مَزَجَهٗ بِالْمَآءِ فَاَزَالَ بِذٰلِكَ حِدَّتَهٗ–

وَ قَتَلَ فُـلَانًا: اَذَلَّهٗ–

وَ تَقَتَّلَ الرَّجُلُ لِلْمَرْأَةِ: خَضَعَ– وَ نَاقَةٌ مُقَتَّلَةٌ: مُذَلَّلَةٌ–

وَ قَوْلُهُ تَعَالٰی: قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَا اَکْفَرَہٗ– اَیْ لُعِنَ، قَالَهُ الْفَرَّآءُ– وَ قَوْلُهُ– قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰی یُؤْفَکُوْنَ– اَیْ لَعَنَهُمْ–

وَ فِی الْحَدِیْثِ: قَاتَلَ اللّٰهُ الْیَهُوْدَ: اَیْ قَتَلَهُمُ اللّٰهُ– وَ قِیْلَ: لَعَنَهُمْ– وَ قِیْلَ: عَادَاهُمْ– وَ فِیْ حَدِیْثِ الْمَارِّ بَیْنَ یَدَیِ الْمُصَلِّی: قَاتِلْهُ فَاِنَّهٗ لَشَیْطَانٌ: اَیْ رَافِعْهُ مِنْ قِبْلَتِكَ– وَ لَیْسَ کُلُّ قِتَالٍ بِمَعْنَی الْقَتْلِ–

وَ قَتَلَ اللّٰهُ فُلَانًا فَاِنَّهٗ کَذَا: اَیْ رَفَعَ شَرَّہٗ– وَ فِی حَدِیْثِ السَّقِیْفَةِ، قَالَ عُمَرُ: قَتَلَ اللّٰهُ سَعْدًا، فَاِنَّهٗ صَاحِبُ فِتْنَةٍ وَ شَرٍّ، اَیْ دَفَعَ اللّٰهُ شَرَّہٗ– وَ فِیْ رِوَایَةٍ: اُقْتُلُوْا سَعْدًا قَتَلَهُ اللّٰهُ، اَیْ اِجْعَلُوْہُ کَمَنْ قُتِلَ، وَلَا تَعْتَدُّوْا بِمَشْهَدِہٖ، وَ لَا تُعَرِّجُوْا عَلٰی قَوْلِهٖ–

وَ فِی حَدِیْثِ عُمَرَ اَیْضًا: مَنْ دَعَا اِلٰی اَمَارَةِ نَفْسِهٖ اَوْ غَیْرِہٖ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ فَاقْتُلُوْہُ: اَیْ: اِجْعَلُوْہُ کَمَنْ قُتِلَ وَ مَاتَ بِاَلَّا تَقْبَلُوْا لَهٗ قَوْلًا وَلَا تُقِیْمُوْا لَهٗ دَعْوَةً– وَ لِذٰلِكَ الْحَدِیْثُ الْاٰخَرُ: اِذَا بُوْیِعَ لِخَلِیْفَتَیْنِ فَاقْتُلُوْا الاٰخِیْرَ مِنْهُمَا، اَیْ اَبْطِلُوْا دَعْوَتَهٗ، وَاجْعَلُوْہُ کَمَنْ مَاتَ– (تاج العروس، لسان العرب، المعجم الوسیط)

کہ ''مجازی طور پر کہتے ہیں: قَتَلَ الشَّیْءَ خَبْرًا وَّ عِلْمًا: اس نے کسی بات کو علم کے لحاظ سے قتل کر دیا یعنی اس چیز کے بارہ میں مکمل علم حاصل کیا۔ پھر کہتے ہیں: اس نے شراب کو قتل کیا۔ مراد یہ ہوتی کہ شراب میں پانی ملا کر اسکی تیزی ختم کی۔ اور قَتَلَ فُلَانًا کہتے ہیں تو مراد ہوتی ہے کہ اس نے دوسرے کو ذلیل و رسوا کیا۔ اور تَقَتَّلَ الرَّجُلُ لِلْمَرْاَةِ کہیں تو مطلب ہوتا

ہے کہ مرد عورت کا مطیع ہو گیا اور نَاقَةٌ مُقَتَّلَةٌ ایسی اونٹنی کو کہتے ہیں جو مالک کے اشارے پر چلتی ہو۔

آیت کریمہ قُتِلَ الۡاِنۡسَانُ مَا اَکۡفَرَہٗ کے بارہ میں فرّاء نے کہا ہے کہ یہاں قتل کا مطلب ہے لعن یعنی خدا کی لعنت ہو انسان پر۔ اسی طرح قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰی یُؤْفَکُوْن میں قاتل کا مطلب یہ کیا گیا ہے کہ خدا منافقین پر لعنت ڈالے۔ حدیث میں ہے۔ قَاتَلَ اللّٰهُ الْیَهُوْدَ مراد ہے اللہ یہود کو ہلاک کرے بعض نے اسکا معنی کیا ہے کہ ان پر لعنت ڈالے اور بعض نے یہ کیا ہے کہ ان کا دشمن ہو۔

حدیث میں نمازی کو حکم ہے کہ اگر کوئی اس کے آگے سے گزرے تو ''قَاتِلْهُ فَاِنَّهٗ لَشَیْطَانٌ'' اور قاتل کے یہاں معنی یہ کئے گئے ہیں کہ اسے اپنے آگے سے ہٹا دو''

اس سے بھی پتہ چلا کہ قِتَال کا لفظ ہر بار ظاہری طور پر قتل کرنے کے معنوں میں استعمال نہیں ہوتا۔

اسی طرح کہتے ہیں: قَتَلَ اللّٰهُ فُلَانًا اور مراد ہوتی ہے کہ اللہ اس کے شر سے بچائے۔ چنانچہ سقیفہ بنی سعد کے موقع پر حضرت عمرؓ نے کہا: قَتَلَ اللّٰهُ سَعْدًا کہ خدا سعد کے شر سے مسلمانوں کو بچائے۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا اُقْتُلُوْا سَعْدًا قَتَلَهُ اللّٰهُ اور مراد یہ تھی کہ اس کو مقتول سمجھو۔ یوں سمجھو کہ گویا یہ زندہ ہی نہیں اور اس کی بات نہ مانو اسکی گواہی کو قبول نہ کرو۔

اسی طرح حضرت عمرؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ جو اپنا یا کسی مسلمان کا نام

امارات کے لئے پیش کرے تو اُقْتُلُوْہُ یعنی اسے یوں سمجھو کہ جیسے وہ ہلاک ہو گیا ہے۔اس کی بات کو نہ مانو۔

تو معلوم ہوا کہ قتل کا لفظ عربی میں بہت ہی وسیع معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔اس لئے فَاقْتُلُوْہُ. سے ہمیشہ بدنی قتل مراد لینا آیات قرآنیہ صریحہ کے منافی ہے اور سنت رسول کے مخالف۔

حضرت عمرؓ سے ثابت ہے کہ آپ نے اُقْتُلُوْہُ کا لفظ بائیکاٹ کرنے اور کالعدم سمجھنے کے معنوں میں استعمال کیا۔ چنانچہ ایک معزز صحابی نے ابتدا میں حضرت ابوبکرؓ کی بیعت نہ کی تو حضرت عمرؓ نے اس کے متعلق "اُقْتُلُوْہُ." کے الفاظ استعمال فرمائے۔اور سب نے یہ مراد لی کہ اس سے قطع تعلق کرلو۔

(تاریخ الطبری مطبوعه دارالمعارف مصر. سن اشاعت ۱۹۶۲ء جزء ثالث صفحه ۲۲۲)

جہاں تک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ بالا روایت کا تعلق ہے اس میں اور بھی باتیں ایسی ہیں جو درایۃً درست معلوم نہیں ہوتیں۔مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ شادی شدہ زانی کو سنگسار کر دو۔ یہ قرآن کریم میں کہیں مذکور نہیں۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنی حکم کے خلاف کوئی حکم جاری فرمایا ہو۔مزید برآں جو یہ ارشاد ہے کہ زانی سے کوئی شادی نہ کرے سوائے ایک ایسے شخص کے جو خود بھی زانی ہو صاف بتا رہا ہے کہ زانی کو سنگسار نہیں کیا جاتا تھا ورنہ وہ شادی کیلئے بچتا ہی نہ۔

دوسرا حصہ جو کسی کو عمداً قتل کرے۔لفظاً بھی اطلاق پاتا ہے اور عین انصاف کے مطابق ہے کہ قاتل کو قتل کے بدلہ میں قتل کیا جائے سوائے اس کے کہ مقتول کے ورثاء اسے معاف کر دیں۔

تیسرے حصہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں کہ ایک صورت یہ ہے کہ کوئی شخص نہ صرف مرتد ہو بلکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کے خلاف جنگ کرے۔ ایسی صورت میں یا اسے قتل کیا جائے یا صلیب دے کر مارا جائے یا اسے ملک سے نکال دیا جائے۔ اب یہ تینوں متضاد باتیں ہیں ورنہ اگر محض ارتداد کی سزا قتل ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر لازم تھا کہ اسے قتل کروا دیتے۔ دوسرے جہاں تک صلیب دینے کا تعلق ہے کہیں ثابت نہیں کہ آنحضورؐ نے کسی کو صلیب دے کر مروایا ہو۔ علاوہ ازیں ملک بدر کرنے کا، آنحضورؐ کیسے استعمال فرماتے جبکہ قرآن کی صریح حد یہ تھی کہ اسے لازماً قتل کیا جائے۔

اس لئے یہ حدیث ان سارے پہلوؤں سے غور طلب ہے۔ اگرچہ الفاظ درست ہو سکتے ہیں لیکن ان کے معانی پر غور اور تدبر کرنے پڑے گا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی فعل یا قول قرآن کے منافی نہ سمجھا جائے۔ آنحضرتؐ تو معروف مرتدین کو قتل کروانے کی بجائے ان کی بخشش کی دعا مانگا کرتے تھے اور قتل مرتد کا عقیدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنا آپ کی صریح گستاخی ہے۔

اس ضمنی مگر ضروری بحث کے بعد ہم پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیان فرمودہ روایت کی طرف واپس لوٹتے ہیں جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ وہاں قتل سے مراد ہرگز جسمانی قتل نہیں ورنہ ہر وہ شخص جو یہ خواہش ظاہر کرے کہ اسے امیر بنا دیا جائے اس کا قتل واجب ہو جاتا۔ حالانکہ کسی ایک شخص کو بھی حضرت عمرؓ نے اس لئے قتل نہیں کروایا کہ کہ اس نے امارت کی خواہش کی ہو بلکہ ایسے مطالبہ کو کالعدم سمجھا گیا اور فَاقْتُلُوْہُ سے صرف یہی مراد ہے کہ اس کے مطالبہ کو کالعدم کی طرح چھوڑ دو۔

قتل مرتد کی تردید کرنے والی احادیث

اب میں قتل مرتد کے عقیدہ کی تردید میں بعض کھلی کھلی ایسی احادیث پیش کر رہا ہوں، سنئے جو قتل مرتد کے عقیدہ کے بخیے ادھیڑ دیتی ہیں۔

پہلی حدیث

آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک بدو حاضر ہوا اور آ کر آنخضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی۔اس کے بعد اسے مدینہ میں بخار ہو گیا۔ وہ بدو بیچارہ وہمی تھا وہ سمجھا کہ اسلام قبول کرنے کی سزا ملی ہے۔ بیچارہ بڑا سادہ آدمی تھا۔اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یارسول اللہ! میرا اسلام واپس کر دیں۔ میں باز آیا اس بیعت سے جس کے نتیجے میں مجھے تکلیف پہنچے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ یہ سادہ آدمی ہے اس لئے آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ دیکھو اگر تم نے ارتداد کیا تو قتل کر ڈالونگا نہیں بلکہ، آپ نے واضح انکار کر دیا کہ میں تمہاری بیعت واپس نہیں کرتا۔ پھر وہ دوبارہ آیا۔ بخار ابھی چڑھا ہوا تھا اور کہا میں بیعت فسخ کرنے کی درخواست کرتا ہوں۔ مجھے معاف کر دیں (وہ سمجھتا تھا کہ جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعلان نہ کریں کہ میں نے تمہارا اسلام واپس کر دیا میرا بخار نہیں اترے گا)۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا: نہیں میں نے تمہاری بیعت واپس نہیں کرنی۔ اس پر اس نے تیسری بار آ کر عرض کی کہ میری بیعت واپس کر دیں آپ نے فرمایا: نہیں، میں نے نہیں کرنی۔ چنانچہ بدو

ناراض ہوکر مدینہ سے چلا گیا۔اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مدینے کی مثال تو بھٹی کی طرح ہے جو میل کو باہر نکال دیتی ہے۔یعنی غلط آدمی تھا اس لئے باوجود میری کوشش کے اسلام میں نہیں ٹھہر سکا۔ مدینے کے ماحول نے اسے اس طرح باہر پھینک دیا جس طرح بھٹی میل کو نکال دیتی ہے۔

(بخاری کتاب الحج باب المدینة تنفی الخبث.....)

گویا ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک وہ مرتد تھا خود کہہ رہا تھا کہ میرا اسلام واپس کر دیں تین دفعہ ایسا کہا اور جب نکل گیا تو اس کے باوجود آپ نے اس کے قتل کا حکم نہیں دیا کیسے ممکن ہے کہ نعوذ باللہ حضرت عمرؓ کو تو علم ہو، حضرت علیؓ کو تو علم ہو، حضرت ابوبکرؓ کو تو علم ہو لیکن ، اگر علم نہ ہو تو رسول اللہ ہی کو نہ ہو کہ ارتداد کے جرم کی سزا کیا ہے؟

دوسری حدیث

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح حدیبیہ کے موقع پر کفار کے ساتھ جو شرائط منظور فرمائیں ان میں سے ایک یہ تھی کہ اگر کوئی مسلمان مرتد ہوکر کفار مکہ کے پاس چلا جائے گا تو کفار اسے واپس نہیں کریں گے۔

(السیرة النبویة لعبدالملك بن هشام، امر الحدیبیة فی آخر سنة ستٍّ.)

اگر اسلام میں یہ واضح اور قطعی سزا موجود تھی کہ جو ارتداد کرے گا اسے قتل کیا جائے گا تو دین میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہرگز نرمی نہ فرماتے۔

تیسری حدیث

پھر وہ روایت ہے جو میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ حضرت عثمانؓ کے پاس چھپ کر ایک مرتد نے پناہ مانگی تھی اور اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاف فرما دیا تھا۔ (سنن ابی داؤد کتاب الحدود باب الحکم فیمن ارتد)

یہ بھی ایک واضح اور قطعی دلیل ہے کہ قتل مرتد کا کوئی تصور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن میں موجود نہ تھا

چوتھی حدیث

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے مجھے ایک فتح کی خوشخبری پہنچانے کیلئے حضرت عمرؓ کی طرف بھیجا۔ واقعہ یہ تھا کہ بکر بن وائل قبیلہ کے چھ افراد اسلام سے مرتد ہو کر مشرکین کے جتھے سے جا ملے تھے۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا ان لوگوں کا کیا بنا؟ میں نے عرض کی یا امیر المومنین! ان لوگوں نے اسلام سے ارتداد اختیار کیا تھا اور مشرکوں سے جا ملے تھے قتل کے سوا اور کیا ان کے ساتھ کیا جانا تھا؟ اس پر عمرؓ فرمانے لگے اگر میں انہیں قتل کئے بغیر صلح سے پکڑتا تو یہ بات مجھے دنیا میں موجود سب سونے اور چاندی کے مل جانے سے زیادہ پسندیدہ تھی۔ میں نے عرض کی یا امیر المومنین! اگر آپ ان لوگوں کو پکڑ لیتے تو آپ ان سے کیا سلوک فرماتے؟ آپ نے فرمایا: میں ان سے کہتا کہ جس دروازے سے نکلے ہو اسی میں واپس آ جاؤ۔ اگر وہ ایسا کرتے تو میں انہیں کچھ نہ کہتا اور اگر وہ نہ

مانتے تو انہیں قید میں ڈال دیتا۔

(كنزالعمال كتاب الايمان والاسلام من قسم الافعال باب اوّل الفصل الخامس فی الارتدادواحكامه حديث نمبر ١٤٦٤ مطبوعه دارالكتب العلمية بيروت الطبعة الاولى ١٤١٩ھ۔ ١٩٩٨م)

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ خلیفہ راشد حضرت عمرؓ بھی قتل مرتد کے نظریہ کے مخالف تھے۔

نظریۂ قتل مرتد اور علماءِ سلف

قتل مرتد کے قائلین جب زمانہ نبوی ﷺ اور زمانہ خلافت راشدہ میں کوئی مضبوط ٹھوس دلیل نہیں پاتے تو پھر اجماع کی باتیں شروع کر دیتے ہیں اور اسلام کے وسطی زمانہ (جبکہ تاریکی پھیل چکی تھی) کے علماء کی باتوں سے استنباط کرتے ہوئے یہ اعلان کرتے ہیں کہ اس مسئلے پر اجماع ہو چکا ہے۔ اس لئے اجماع کے مقابل پر کسی کی بات قبول نہیں کی جائے گی۔

دعویٰ اجماع غلط ہے

دلیل اول:

اس اجماع کے خلاف ایک دلیل تو میں پہلے دے چکا ہوں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مرتدین گرفتار ہوئے ہیں اور ان کو قتل نہیں کیا گیا۔

(تاريخ الطبرى، حوادث ١١ھ۔ صفحہ۲۵۹ تا ۲۶۳،
تاریخ ابن خلدون جلد اول ردة اهل عمّان و مهرة واليمن صفحہ۸۷۱،۸۷۲ مطبوعہ دارابن حزم بيروت الطبعة الاولى ٢٠٠٣م)

اس لئے اس زمانہ کا اجماع تو قتل مرتد کے عقیدہ کے خلاف تھا۔ اگر قتل مرتد کے عقیدہ پر اجماع ہوتا تو کیسے ممکن تھا کہ حضرت ابوبکرؓ مرتدین کو قتل نہ کرواتے۔ ایک صحابی نے بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر یہ اعتراض نہیں کیا کہ قرآن کا حکم ہے کہ مرتد کو قتل کیا جائے اور یہ حد ہے جس کا جاری کرنا آپ پر فرض ہے آپ کو اجازت ہی نہیں کہ ان لوگوں کو قتل کے سوا کوئی اور سزا دیں۔ آپ کو کس طرح یہ حق حاصل ہو گیا کہ ان کو غلام بنا لیں۔ تو یہ صحابہؓ کا تقریری اجماع ہے۔ ایک مخالف آواز کا بھی نہ اٹھنا ثابت کرتا ہے کہ اگر اجماع ہے تو اس بات کے حق میں ہے کہ مرتد کی سزا اسلام قتل قرار نہیں دیتا۔

دلیل دوم

سنن دار قطنی میں حضرت ابن عباسؓ سے ایک روایت یوں مروی ہے کہ:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: اَلْمُرْتَدَّةُ عَنِ الإِسْلَامِ تُحْبَسُ وَلَا تُقْتَلُ

(سنن الدارقطنی. کتاب الحدود والدیات حدیث نمبر ۳۱۷۳/ ۱۲۰)

یعنی آپؓ کے نزدیک مرتدہ کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ قید کیا جائے گا۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کو میدان جنگ میں بھی قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔ سو یہ دونوں روایات مودودی کے اس نظریہ کی مخالفت کر رہی ہیں کہ مرتدہ قتل ہوگی اور اس بات کی بھی کہ قتل مرتد کے نظریہ پر امت کا اجماع ہے۔

دلیل سوم

علّامہ المرغینانی (وفات ۵۹۳ ہجری) فرماتے ہیں:

...... **وَلَنَا اَنَّ النَّبِیَّ عَلَیْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ نَهٰی عَنْ قَتْلِ النِّسَآءِ،**

وَلِاَنَّ الْاَصْلَ تَاخِيْرُ الْأَجْزِيَةِ اِلٰى دَارِ الْآخِرَةِ، اِذْ تَعْجِيْلُهَا يُخِلُّ بِمَعْنَى الْاِبْتِلَاءِ، وَ اِنَّمَا عُدِلَ عَنْهُ دَفْعًا لِشَرٍّ نَاجِزٍ وَ هُوَالْحِرَابُ وَلَا يَتَوَجَّهُ ذٰلِكَ مِنَ النِّسَآءِ لِعَدْمِ صَلَاحِيَّةِ الْبُنْيَةِ بِخَلَافِ الرِّجَالِ۔

(الهداية فی شرح بداية المبتدی لعلی بن ابی بکر المرغينانی. الجزء الثانی. کتاب السير باب: احکام المرتدين. صفحه : ۴۰۶،۴۰۷. داراحياء التراث العربی بيروت ، لبنان)

یعنی مرتدہ عورت کوقتل نہ کرنے کی دووجوہ ہیں۔ایک یہ کہ حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کوقتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔ دوسرے یہ کہ سزا کا اصل یہ ہے کہ اس کو آخرت پر چھوڑ دیا جائے کیونکہ اس دنیا میں جلدی سے سزا دے دینا آزمائش کرنے کے اصول میں خلل اندازی ہے۔ اور اس قاعدہ سے جو عدول کیا گیا ہے تو وہ صرف پیدا ہونے والے شر کو روکنے کی غرض سے ہے اور وہ شر حراب یعنی جنگ ہے۔اور چونکہ عورتوں میں مردوں کے برعکس اپنی خلقت کی وجہ سے جنگ کی قابلیت نہیں ہوتی اس لئے ان کو قتل کیا ہی نہیں جاتا۔

دلیل چہارم

اسی طرح ایک بہت بڑے فقیہ ''فتح القدیر'' کے مصنف امام ابن الھمام (متوفی ۶۸۱ ہجری) فرماتے ہیں:

''.... يَجِبُ فِي الْقَتْلِ بِالرِّدَّةِ اَنْ يَّكُوْنَ لِدَفْعِ شَرِّ حِرَابِهٖ، لَا جَزَاءً عَلٰى فِعْلِ الْكُفْرِ، لِاَنَّ جَزَاءَهٗ اَعْظَمُ مِنْ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ تَعَالٰى—

فَيَخْتَصُّ بِمَنْ يَتَأَتّٰى مِنْهُ الْحِرَابُ، وَهُوَ الرَّجُلُ، وَلِهٰذَا نَهَى النَّبِيُّ ﷺ– عَنْ قَتْلِ النِّسَآءِ ...... وَ لِهٰذَا قُلْنَا: لَوْ كَانَتِ الْمُرْتَدَّةُ ذَاتَ رَأْيٍ وَ تَبَعٍ تُقْتَلُ، لَا لِرِدَّتِهَا، بَلْ لِأَنَّهَا حِيْنَئِذٍ تَسْعٰى فِي الْأَرْضِ بِالْفَسَادِ–

(شرح فتح القدير على الهداية لمحمد بن عبدالواحد المعروف بابن الهمّام. طبع اول. القاهرة. شركة البابى الحلبى. ۱۹۷۰ ء الجزء السادس كتاب السير باب: احكام المرتدّين. صفحه: ۷۲)

یعنی مرتد کوصرف اس صورت میں قتل کیا جانا چاہئے جب اس کی طرف سے جنگ کے خطرے کو ٹالنا مقصود ہو نہ کہ محض کفر اختیار کرنے کے بناء پر کیونکہ کفر اختیار کرنے کی سزا خدا کے نزدیک اس سے بہت بڑھ کر ہے۔ لہٰذا صرف ایسے مرتد کو قتل کیا جائے گا جو محارب ہو جو عموماً مرد ہوتا ہے نہ کہ عورت۔ اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی عورتوں کے قتل سے منع فرمایا ہے......وراسی بناء پر ہمارے نزدیک اگر مرتدہ عورت اثر و رسوخ اور جتھہ رکھنے والی ہو تو وہ قتل ہوگی۔ اپنے ارتداد کی وجہ سے نہیں بلکہ زمین میں فساد پھیلانے کی وجہ سے۔

دلیل پنجم

اسی طرح امام البابرتی (متوفی ۷۸۶ ہجری) فرماتے ہیں:

''قتل صرف جنگ کرنے کی بناء پر کیا جائے گا کیونکہ محض کفر کرنے پر کسی کو قتل کرنا جائز نہیں۔ اسی وجہ سے اندھے اور گھر میں پڑے ہوئے اور پیرِ فرتوت کو قتل نہیں کیا جاتا۔

(شرح فتح القدير على الهداية الجزء السادس كتاب السير باب احكام المرتدّين صفحه ۷۴)

دلیل ششم

نیز علامہ سرخسی جو پانچویں صدی ہجری کے علماء میں سے ہیں لکھتے ہیں:
"کفر کرنا اگرچہ بہت بڑا جرم ہے مگر یہ بندے اور خدا کا معاملہ ہے اس لئے اس کی سزا آخرت کو ملے گی۔ دنیا میں جو سزائیں دی جاتی ہیں وہ بندوں کے مصالح کی حفاظت کے لئے جاری کی گئی ہیں۔ جیسے جانوں کی حفاظت کے لئے قصاص کی سزا، نسب کی حفاظت کے لئے حد زنا، لوگوں کے اموال کی حفاظت کے لئے حد سرقہ، عزت و ناموس کی حفاظت کے لئے حد قذف اور عقل کی حفاظت کے لئے حد خمر ہے۔ چونکہ کفر پر اصرار کرنے والا مسلمانوں کا محارب ہوتا ہے اس لئے اس کی طرف سے جنگ کے شر سے بچاؤ کے لئے اسے قتل کیا جاتا ہے۔ جنگ اور محاربت کے اس شر سے بچاؤ کی فوری علت کو بعض جگہ خدا نے واضح بیان کیا ہے۔ جیسے فرمایا: **فَاِنْ قَاتَلُوْکُمْ فَاقْتُلُوْھُمْ**۔ اور بعض جگہوں پر اس تک لے جانے والے سبب شرک کا ذکر فرمایا ہے۔ پس جب ایک طرف یہ ثابت ہو گیا کہ قتل کرنے کی وجہ جنگ اور محاربت ہے اور دوسری طرف یہ معلوم ہے کہ عورت کی خِلقت جنگ کے قابل نہیں اس لئے وہ نہ کافرہ ہونے کی وجہ سے قتل ہوتی ہے نہ ارتداد اختیار کرنے پر۔

(المبسوط لشمس الدین السرخسی۔ طبع دوم، بیروت۔ دارالمعرفة للطباعة والنشر۔ جزء دھم۔ صفحہ ۱۱۰)

دلیل ہفتم

اسی طرح حضرت امام ابوحنیفہؒ کے استاد حضرت حماد کے استاد حضرت ابراہیم نخعی جو علماء حدیث اور فقہ میں غیر معمولی مقام رکھتے ہیں ان کے متعلق لکھا ہے کہ۔:

''وہ مرتد کو موت تک یعنی غیر محدود مدت تک مہلت دینے کے قائل تھے۔''

(نیل الاوطار لامام محمد بن علی بن محمد الشوکانی.

ابواب احکام الردة والاسلام. باب: قتل المرتد.)

اتنا بڑا چوٹی کا عالم جو علماء حدیث اور فقہ میں ایک غیر معمولی مقام رکھتا ہے اس کا اختلاف ان آج کل کے علماء کو نظر ہی نہیں آ رہا

عصر حاضر کے علماء کی آراء

اس زمانہ کے علماء نے بھی کبھی اس نظریہ پر اتفاق نہیں کیا۔ سابق میں تو کبھی اجماع ہوا ہی نہیں، اب بھی اجماع نہیں ہے۔ مثلاً:

ا۔ امام محمود شلتوت سابق شیخ الازھر فرماتے ہیں:

اس جرم کے بارہ میں جو کچھ قرآن کریم میں آیا ہے وہ درج ذیل آیت کریمہ ہے:

وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○ (المآئدة : ۵۵)

اور آپ دیکھ رہے ہیں کہ اس آیت میں صرف یہ ذکر ہے کہ ایسے مرتدین کے اعمال ضائع ہو جائیں گے اور آخر میں آگ میں رہتے چلے جانے کی سزا پائیں گے۔

جہاں تک اس جرم کی دنیوی سزا کا تعلق ہے تو اس کے ثبوت میں فقہاء درج ذیل حدیث پیش کرتے ہیں جو ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهُ فَاقْتُلُوْهُ'' علماء نے اس حدیث پر مختلف زاویوں سے بحث کی ہے۔۔۔۔

اس مسئلہ کے بارہ میں نقطہ نظر اس وقت بدل جاتا ہے جب یہ بات سامنے رکھی جائے کہ بہت سے علماء کی رائے میں حدود کہلانے والی سزاؤں کی بنیاد حدیثِ احاد کو نہیں بنایا جا سکتا اور یہ کہ صرف کفر کی وجہ سے کسی کا خون بہانا جائز نہیں بلکہ صرف اس صورت میں کسی کا خون بہانا جائز ہو گا جب کوئی مسلمانوں سے جنگ کرے اور ان پر حملہ کرے اور بزور شمشیر ان کو ان کے دین سے روکے اور یہ کہ قرآن کریم کی اکثر آیات واضح طور پر دینی امور میں کسی پر زبردستی کرنے کی مخالفت کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ نیز فرمایا: '' اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ''

(الاسلام عقیدة و شریعة۔ طبعة دارالعلم۔ القاهرة۔ صفحه ۲۹۲۔۲۹۳)

۲۔ استاذ محمد محمود زغلف ڈاکٹر علاؤالدین زیدان عبدالمنعم یحییٰ الکامل اور یحییٰ کامل احمد صاحبان کی رائے ہے کہ:

''اس مزعومہ حد کی کوئی دلیل قرآن یا سنت صحیحہ میں قطعاً موجود نہیں بلکہ اس کے برعکس متعدد آیات قرآنیہ اس قسم کے مزاعم کو قطعاً باطل قرار دیتی اور انسان کو کفر یا ایمان کے اختیار کرنے میں آزادی دیتی ہیں۔ چاہے وہ اسلام میں داخل ہو جائے اور چاہے تو اسے چھوڑ کر علیحدہ ہو جائے۔ نیز بتاتی

ہیں کہ ہر انسان کے ایمان لانے یا حق سے اعراض کرنے کا حساب خود اللہ تعالیٰ آخرکار لے گا کیونکہ وہی اپنے بندوں کے سینوں کے پوشیدہ رازوں اور دلوں کے حالات سے پوری طرح باخبر ہے"۔

جو لوگ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی مرتدین کے خلاف حروب سے قتل مرتد کا جواز نکالتے ہیں انہیں جاننا چاہئے کہ اگر ہم ان حروب کے مختلف تاریخی پہلوؤں پر غور کریں تو پتہ چلے گا کہ وہ لوگ صرف مرتد نہ تھے بلکہ انہوں نے اسلامی معاشرہ کے اندر فتنہ کھڑا کر رکھا تھا اور ملک کے امن وامان کو برباد کر دیا تھا حتی کہ انہوں نے مدینہ کا محاصرہ بھی کر لیا تھا جس پر مجبور ہو کر ابوبکرؓ ان کے مقابلہ پر نکلے اور انہیں ان کے محاصرہ سے نکالا۔ اس سے ثابت ہوا کہ بات صرف اتنی سے نہ تھی کہ چند افراد مرتد ہو گئے تھے اور ان سے ان کے ارتداد کی وجہ سے جنگ کی گئی بلکہ ابوبکرؓ نے ان مرتدین کے خلاف اس لئے جنگ کی کہ تا آپ ان کی اسلامی حکومت پر یلغار کو روکیں اور اس میں فتنہ پردازی سے انہیں باز رکھیں تا کہ وہ اسلامی حکومت کے امن اور سلامتی کے لئے خطرہ نہ بنیں۔ آپ نے یہ قدم درج ذیل ارشاد الٰہی کی روشنی میں اٹھایا تھا "وَ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَايُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ". (البقرة:۲۱۰)

اسی طرح کتب تاریخ میں مذکور ثعلبہ کا قصہ بھی حدّ رِدّہ کے بطلان پر بیّن ثبوت ہے اور اس بات کی تردید کرتا ہے کہ ابوبکرؓ نے مرتدین سے صرف اس بنا پر جنگ کی تھی کہ وہ زکوٰۃ دینے سے انکاری ہو گئے تھے۔ کیونکہ ثعلبہ نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تھا اور آپ کے عامل

کے ساتھ بڑی بے باکی اور بدزبانی کا مظاہرہ کیا تھا مگر پھر بھی آپ نے نہ اس کے قتل کا ارشاد فرمایا اور نہ ہی اس سے زبردستی زکوٰۃ وصول کرنے کا۔ بلکہ بعد میں خود ثعلبہ نادم ہو کر جب زکوٰۃ دینے آیا تو آپ نے لینے سے انکار فرما دیا اسی طرح آپ کے بعد ابوبکر، عمر و عثمان رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی اپنے اپنے زمانہ خلافت میں اس سے زکوٰۃ قبول نہ کی۔

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ نہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اور نہ ہی عہد صدیقی میں کوئی ایسا جبری ٹیکس سمجھی جاتی تھی جو قوت سے وصول کیا جاتا ہو اور جو زکوٰۃ دینے سے انکاری ہوتا اس کے خلاف چڑھائی کی جاتی تھی۔ نہیں، بلکہ مسلمان اپنے کامل ارادے سے اپنے مولا کی فرمانبرداری کرتے ہوئے اپنے نفس کو پاک کرنے کی خاطر زکوٰۃ ادا کرتا تھا۔

اور ظاہر ہے کہ حضرت ابوبکرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنے والے اور سب امور میں آپ کے اسوۂ حسنہ پر کاربند تھے۔ ایسی صورت میں آپ کے لئے یہ ناممکن ہے کہ آپ تلوار کے زور سے کسی کو دین اسلام کی طرف لوٹنے پر مجبور کرتے۔ پس ہم خدا سے ڈرتے ہیں کہ ابوبکرؓ کی طرف وہ بات منسوب کریں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مخالف ہے۔

حقیقت یہی ہے کہ آپ نے ان مرتدین سے صرف اور صرف اس لئے جنگ کی تھی کہ تا آپ نئے نئے پروان چڑھنے والے اسلامی معاشرہ کو ان لوگوں کے فتنہ اور یورش سے بچاویں۔

ان حقائق کی روشنی میں وہ سارے فاسد خیالات جھوٹے ثابت ہو جاتے ہیں جو مستشرقین اور دشمنان اسلام نے مرتدین کے ساتھ ابوبکرؓ کی جنگوں کے نام سے مشہور کئے ہوئے ہیں“

(حقيقة الحكم بما انزل الله. طبع اول. دار نهر النيل القاهره. صفحه ١٢٦ تا ١٣١)

۳۔ اسی طرح درج ذیل علماء کرام نے بھی اس بودے نظریہ کو بڑی شدت کے ساتھ ردّ کیا ہے۔

ا۔ مولوی غلام احمد پرویز

(نقطۂ پرکار حیات۔ یعنی جہاد کا صحیح مفہوم قرآن کریم کی روشنی میں۔

ادارہ طلوع اسلام۔ اشرف پریس لاہور۔ جولائی ۱۹۶۷۔ صفحہ ۳۰۔۳۱)

ب۔ مولانا ابوالکلام آزاد

(تفسیر ترجمان القرآن زمزم کمپنی لمیٹڈ۔ لاہور۔ جلد اول)

ج۔ مولانا نواب اعظم یار جنگ چراغ عالی۔

(اعظم الکلام فی ارتقاء الاسلام۔ طبع اول حیدر آباد دکن، ۱۹۱۰ء جز اول)

د۔ مولانا محمد علی جوہر، رئیس الاحرار

(سیرت محمد علی بقلم رئیس احمد جعفری۔ طبع اول کتاب منزل۔ لاہور)

ر۔ مولوی ثناء اللہ امرتسری

(اسلام اور عیسائیت، ثنائی برقی پریس۔ ہال بازار۔ امرتسر ۱۹۴۱ء)

س۔ جناب رحمت اللہ طارق

(قتل مرتد کی شرعی حیثیت ادارہ ادبیات اسلامیہ۔ ملتان طبع ثالث۔ ۱۹۸۷ء)

ص۔ چیف جسٹس ایس۔ اے رحمان

(PUNISHMENT OF APOSTASY IN ISLAM، ادارہ ثقافت اسلامیہ، پاکستان)

ط۔ جسٹس ایم آر کیانی اور جسٹس محمد منیر

(رپورٹ تحقیقاتی عدالت برائے تحقیقات فسادات پنجاب ۱۹۵۳ء)

یہ ہے ان کے اجماع کی حقیقت وحیثیت کہ اس زمانہ میں بھی کہ جس میں یہ سانس لے رہے ہیں وہ بہت بڑے بڑے جید علماء اور ماہرین قانون بڑی قطعیت کے ساتھ ان کے عقیدہ قتل مرتد کو رد کر رہے ہیں۔

کیا مودودی صاحب سنجیدہ ہیں؟

مولانا مودودی صاحب نے فرمایا تھا کہ

''اگر حقیقت میں ان مسلمانوں پر غور کرو تو وہ مسلمان ہیں ہی نہیں''۔

دیکھنا یہ ہے کہ کیا وہ اپنے اس فتوی میں سنجیدہ تھے؟ سنئے وہ کیا فرماتے ہیں ان لوگوں کے متعلق جو جماعت اسلامی سے الگ ہو جائیں۔ اسلام سے الگ ہونے والوں کے متعلق نہیں بلکہ جماعت اسلامی سے الگ ہونے والوں کو متنبہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''...... یہ وہ راستہ نہیں ہے جس میں آگے بڑھنا اور پیچھے ہٹ جانا دونوں یکساں ہوں۔ نہیں۔ یہاں پیچھے ہٹنے کے معنی ارتداد کے ہیں''

(روداد جماعت اسلامی از مودودی۔ حصہ اول صفحہ ۸

(مرتبہ شعبہ تنظیم جماعت)۔ لاہور۔ مکتبہ جماعت اسلامی)

اگر جماعت اسلامی سے علیحدہ ہو کر کسی اور جماعت میں شامل ہو جانے کا نام ارتداد ہے تو دوسری جماعت کا نام کفر نہیں تو اور کیا ہو سکتا ہے؟

ملاّؤں کے ارادے

ان کے ارادے کیا ہیں؟ اگر ان کا بس چلے (اور جس طرح حکومت پاکستان پر یہ ایک عالمی سازش کے تحت قبضہ کر رہے ہیں جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے) تو یہ کیا کریں گے؟ تحقیقاتی عدالت فسادات پنجاب ۱۹۵۳ء نے اس مسئلے پر غور کیا کہ اس عقیدہ کے نتیجے کیا نکل سکتے ہیں۔ عدالت کے جج صاحبان جسٹس منیر اور جسٹس کیانی نے لکھا کہ:

''دیوبندیوں کے دارالعلوم سے مصدقہ فتویٰ (EX-D-E 13) میں اثنا عشری شیعوں کو کافر اور مرتد قرار دیا گیا ہے''

اور

''شیعوں کے نزدیک تمام سنی کافر ہیں اور اہل قرآن یعنی وہ لوگ جو حدیث کو غیر معتبر سمجھتے ہیں اور واجب التعمیل نہیں مانتے متفقہ طور پر کافر ہیں اور یہی حال آزاد مفکرین کا ہے۔ اس تمام بحث کا آخری نتیجہ یہ ہے کہ شیعہ، سنی، دیوبندی، اہل حدیث اور بریلوی لوگوں میں سے کوئی بھی مسلم نہیں۔ اور اگر مملکت کی حکومت ایسی جماعت کے ہاتھ میں ہو جو دوسری جماعت کو کافر سمجھتی ہے تو جہاں کوئی شخص ایک عقیدے کو بدل کر دوسرا اختیار کرے گا اس کو اسلامی مملکت میں لازماً موت کی سزا دی جائے گی''

(رپورٹ تحقیقاتی عدالت برائے فسادات پنجاب ۱۹۵۳ء صفحہ ۲۳۶۔۲۳۷)

آج اسلام کو خود عالم اسلام سے خطرہ ہے۔ یہ ایک بھیانک سازش ہے جس کا سربراہ آج امریکہ کا استعمار ہے۔ جن جن حکومتوں پر امریکہ کا رعب اور تسلط ہے

وہاں قتل مرتد کا عقیدہ اٹھایا جا رہا ہے اور یہ ظالم یہ چاہتے ہیں کہ مسلمان ہماری طرف رخ کرنے کی بجائے ایک دوسرے کی گردنیں کاٹیں اور جانتے ہیں کہ ان کمزور حکومتوں کو جو ہماری امداد پر پلتی ہیں، جو ہم سے روٹی مانگ کر کھاتے ہیں اور ہم سے ہتھیار لیتے ہیں جرأت نہیں ہوگی کہ کسی ہندو، کسی عیسائی، کسی یہودی کو قتل کریں۔ ہاں! اگر ان کی بجلی گرے گی تو صرف مسلمانوں کے سر پر گرے گی۔ اگر یہ گردنیں کاٹیں گے تو صرف مسلمانوں کی کاٹیں گے۔ ہر فرقہ دوسرے فرقہ کو مرتد قرار دے گا اور ہر فرقہ جس کا زور چلے گا وہ دوسرے مرتد فرقے کو قتل کرتا چلا جائے گا۔ اسلام میں ایک کہرام برپا ہو جائے گا اور ایسے مذہب پر ساری دنیا لعنت ڈالے گی اور ان لوگوں پر جن میں یہ بھیانک عقیدے چل رہے ہیں اور جو اس طرح اپنے دوسرے بھائیوں کے خون مباح سمجھتے ہیں اور ایک دوسرے کو قتل کرتے چلے جاتے ہیں۔ یہ ہے اس سازش کا خلاصہ۔

پرانا مشغلہ

اس سے پہلے یہ کھیل کھیلا جا چکا ہے۔ یہ کوئی فرضی بات نہیں ہے۔ عملاً عالم اسلام میں اس سے پہلے جہاں جہاں بھی ملّانوں کا اسلامی حکومتوں پر قبضہ ہوا ہے یا ظالم اسلامی حکومتوں نے مسلمان علماء کو استعمال کیا ہے، وہاں قتل مرتد کے نام پر اتنا بھیانک کھیل کھیلا جا چکا ہے کہ اس کے تصور سے آج بھی انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

عباسی بادشاہ مامون اور اس کے بعد کے زمانہ کے چند واقعات میں آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ نہایت راستباز، خداترس، نیک اور عالم مسلمان محض اس

جرم میں مصلوب کیئے گئے کہ ان کا قرآن کریم کے متعلق یہ عقیدہ تھا کہ یہ مخلوق ہے۔ لیکن جب دور بدلا اور ایسا شخص خلافت کی مسند پر بیٹھا جس کا خود اپنا عقیدہ یہ تھا کہ قرآن کریم مخلوق ہے تو اس نے ایسے تمام علماء کو قتل کرنے کا حکم جاری کیا جو قرآن کریم کو مخلوق نہیں سمجھتے تھے۔ مسلمان بزرگوں کے خون گلیوں میں بہتے رہے اس جرم میں کہ وہ مرتد ہو گئے ہیں اور مرتد کی سزا قتل ہے۔ اور ارتداد کی دلیل صرف اتنی تھی کہ انہوں نے قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ کی تنزیہی صفات کے پیش نظر مخلوق قرار دیا۔

یہ اتنا بھیانک ظالمانہ دور ہے۔ مگر یہ صرف ایک دور نہیں بلکہ کثرت سے ایسے واقعات نہایت ظالمانہ طور پر اسلامی حکومتوں کے چہرے پر ایک ایسا کلنک کا ٹیکہ لگاتے ہیں کہ جسے دیکھ کر آج بھی آزاد دنیا اسلام اور اسلام کے ماننے والوں سے نفرت اور حقارت کرتی ہے اور اسلام کو ایک جاہلانہ تاریک ماضی کا مذہب قرار دیتی ہے۔ آج یہ علماء اس سے کوئی سبق حاصل نہیں کر رہے۔ ان کو کوئی شرم نہیں آتی۔ زبردستی قرآن اور سنت کے خلاف عقیدے اسلام کی طرف منسوب کرتے چلے جاتے ہیں اور اسلام کی تاریخ کو خون آلود کرتے چلے جاتے ہیں۔

لیکن ملّاں کے منہ کو جو خون لگ چکا ہے یہ خون اس منہ سے اب اترنے والا نہیں ہے۔ آج بھی اگر عالم اسلام کو ہوش نہ آئی اور ملّاں کی بالا دستی کو رد کر کے ردی کی ٹوکری میں نہ پھینکا گیا اور اسے مجبور نہ کیا گیا کہ تم دینی معاملات کو سیاست سے الگ رکھو اور دین اسلام پر ظلم سے باز آ جاؤ۔۔ صرف تقویٰ کی تعلیم دو اور نمازوں اور عبادتوں کی تعلیم دو، اگر ایسا نہ کیا گیا تو وہ ماضی کی بھیانک تاریخ پھر دہرائی جائے گی۔ اور اس کے پیچھے بڑی بڑی حکومتیں ہیں جو چاہتی ہیں کہ ایسا ہو۔ وہ چاہتی ہیں کہ مسلمان مسلمان کی چھری سے ہلاک ہو اور اسلام عالم اسلام کی چھری سے ہلاک ہو۔

ایک اہم اقتباس

تحقیقاتی عدالت کا ایک اور اقتباس پیش کر کے پھر میں اس مضمون کے آخری حصے کی طرف آتا ہوں۔ تحقیقاتی عدالت لکھتی ہے کہ عدالت تسلیم کرتی ہے کہ:

''اسلامی مملکت میں ارتداد کی سزا موت ہے۔ اس پر علماء عملاً متفق الرائے ہیں'' (رپورٹ تحقیقاتی عدالت فسادات پنجاب ۱۹۵۳ء صفحہ ۲۳۶)

یعنی وہاں اس وقت عدالت میں جو علماء پیش ہوئے تھے وہ متفق الرائے تھے۔ عدالت ان علماء کی بات کر رہی ہے۔ مگر بہت سے بڑے بڑے علماء جن کا پہلے ذکر کیا جا چکا ہے وہ پاکستان سے بھی تعلق رکھتے ہیں اور دیگر عرب ممالک سے بھی تو وہ عدالت میں پیش نہیں ہوئے اس لئے عدالت ان کا ذکر نہیں کرتی۔ اس زمانہ میں بھی اور اس سے پہلے بھی اس نظریہ کے خلاف وہ جہاد کر چکے ہیں۔ کتابیں لکھ چکے ہیں۔ اس لئے عدالت کی ہرگز یہ مراد نہیں کہ سارے علماء اس نظریہ پر متفق تھے بلکہ صرف وہ جو عدالت میں ان کے سامنے پیش ہوئے تھے۔ عدالت لکھتی ہے۔

''اگر مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری یا مرزا رضا احمد خاں بریلوی (مراد احمد رضا خاں بریلوی ہیں۔ناقل) یا ان بے شمار علماء میں سے کوئی صاحب (جو فتوے (EX-D-E14) کے خوبصورت درخت کے ہر پتے پر مرقوم دکھائے گئے ہیں) ایسی اسلامی مملکت کے رئیس بن جائیں تو یہی انجام (یعنی قتل۔ناقل) دیوبندیوں اور وہابیوں کا ہو گا جن میں مولانا محمد شفیع دیوبندی ممبر بورڈ تعلیمات اسلامی ملحقہ دستور ساز اسمبلی پاکستان اور مولانا داؤد غزنوی بھی شامل ہیں۔ اور اگر مولانا محمد شفیع دیوبندی رئیس مملکت مقرر

ہو جائیں تو وہ ان لوگوں کو جنہوں نے دیوبندیوں کو کافر قرار دیا ہے، دائرہ اسلام سے خارج قرار دیں گے۔ اور اگر وہ لوگ مرتد کی تعریف میں آئیں گے یعنی انہوں نے اپنے مذہبی عقائد ورثے میں حاصل نہ کئے ہوں گے بلکہ خود اپنا عقیدہ بدل لیا ہو گا تو مفتی صاحب ان کو موت کی سزا دے دیں گے"۔ (رپورٹ تحقیقاتی عدالت ۱۹۵۳ء صفحہ ۲۳۶)

مودودی کا تشدد

مولوی مودودی صاحب کا ایک اور دلچسپ حوالہ ہے جس میں وہ اس بات سے اختلاف رکھتے ہیں کہ سارے پیدائشی مسلمان، مسلمان ہی شمار ہوں گے۔ ان کے نزدیک مسلمانوں کے گھر پیدا ہونے والے بھی فی الحقیقت مرتد ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم اسلامی حکومت میں ان سب کو بطور مسلمان قبول نہیں کریں گے بلکہ ایک سال کا نوٹس دیں گے کہ عملاً تو تم مرتد ہو ہی چکے ہو اس لئے اب ہم تمہیں کھلی چھٹی دیتے ہیں کہ ایک سال کے اندر اندر خود اپنے منہ سے اسلام کی صداقت کا انکار کرو اور کہو کہ اسلام جھوٹا مذہب ہے۔ اگر تم ایسا کرو گے تو ہم تمہیں معاف کر دیں گے اور جان بخشی کر دیں گے۔ (بس ایک حسرت رہ گئی ہے کہ مسلمانوں سے اسلام کو جھوٹا سن لیں) اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو ہم تمہیں متنبہ کرتے ہیں کہ ایک سال گزرنے کے بعد اگر تمہاری یہی حالت رہی یعنی جسے ہم ارتداد سمجھتے ہیں تو ہم قتل وغارت کریں گے اور تم سب کی جڑیں اکھاڑ پھینکیں گے اور بصورت دیگر جبراً تم سے اس اسلام پر عمل کروائیں گے جسے ہم اسلام سمجھتے ہیں۔

وہ لکھتے ہیں:

''جس علاقہ میں اسلامی انقلاب رونما ہو وہاں کی مسلمان آبادی کو نوٹس دیا جائے کہ جو لوگ اسلام سے اعتقاداً وعملاً منحرف ہو چکے ہیں اور منحرف ہی رہنا چاہتے ہیں وہ تاریخ اعلان سے ایک سال کے اندر اندر اپنے غیر مسلم ہونے کا باقاعدہ اظہار کر کے ہمارے نظامِ اجتماعی سے باہر نکل جائیں۔ اس مدت کے بعد اُن سب لوگوں کو جو مسلمانوں کی نسل سے پیدا ہوئے ہیں مسلمان سمجھا جائے گا۔ تمام قوانین اسلامی ان پر نافذ کئے جائیں گے۔ فرائض و واجبات دینی کے التزام پر انہیں مجبور کیا جائے گا۔ اور پھر جو کوئی دائرہ اسلام سے باہر قدم رکھے گا اسے قتل کر دیا جائے گا''۔

(ارتداد کی سزا اسلامی قانون میں۔ صفحہ ۸۰)

اس جگہ کوئی مودودی صاحب کے ان الفاظ سے دھوکہ نہ کھائے کہ ''ان سب لوگوں کو مسلمانوں کی نسل سے پیدا ہوئے ہیں مسلمان سمجھا جائے گا'' کیونکہ مودودی صاحب اس سے پہلے پڑھے جانے والے ایک حوالہ میں فتویٰ دے چکے ہیں کہ ان مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ ان میں ۱۰۰۰ میں سے ۹۹۹ بھی حقیقی مسلمان نہیں۔ گویا اس کا معنی یہ ہوا کہ یہ مسلمان پیدائشی کافر ہیں جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ہر بچہ فطرت صحیحہ یعنی اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔

یہ ہیں ان علماء کے ارادے اور یہ ہے ان کے اسلام کا تصور اور یہ ہے ان کے نزدیک آزادئ ضمیر کا تصور۔

ارتداد اور تاریخ انبیاء

اب میں آپ کے سامنے ایک آخری بات جو دلچسپ بھی ہے اور اس مضمون پر حرف آخر کی حیثیت بھی رکھتی ہے اور ایک پہلو سے انتہائی دردناک بھی ہے پیش کرتا ہوں۔

قرآن کریم نے ایک بڑی ہی وسیع اور بہت مستند اور نہایت مبسوط تاریخ انبیاء پیش کی ہے۔ حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک انبیاء علیہم السلام کے کیا عقائد رہے؟ ان کے کیا دستور رہے؟ ان کے ماننے والوں کے کیا خلق تھے؟ کیا اطوار تھے؟ اور اس کے مقابل پر ان کے دشمنوں کے کیا عقائد اور اطوار تھے؟ ان کے دعوے کیا تھے؟ ان کے استدلال کیا تھے؟ نہایت مبسوط اور مسلسل تاریخ کے رنگ میں قرآن کریم نے ان سب باتوں کو محفوظ فرمایا ہے۔ حضرت نوحؑ سے لے کر حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک کے انبیاء کا ذکر اور ان کے مخالفین کا ذکر اور ان کے درمیان چلنے والی بحث کا ذکر قرآن کریم نے محفوظ کیا ہے۔

دشمنان انبیاء کا عقیدہ

قرآن کریم سے پتہ چلتا ہے کہ بلا استثناء تمام منکرین انبیاء کا یہ عقیدہ تھا کہ جو ان کے مذہب سے پھر جائے یعنی مرتد ہو جائے اسے ضرور بھیانک سزائیں ملنی چاہئیں۔ پس اس مسئلہ پر اگر کوئی اجماع ہے تو مخالفین انبیاء کا اجماع ہے نہ انبیاء اور ان کے ماننے والوں کا۔ قرآن کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کے ساتھ تھا اور ان

لوگوں پر لعنت ڈالتا تھا جو یہ عقیدہ رکھتے تھے اور اس پر عمل کی کوشش کرتے تھے کہ اگر کوئی اپنی ملت سے پھر جائے تو اس کی سزا قتل ہونی چاہیئے یا اسے زندہ جلا دینا چاہیئے یا اسے بستی سے نکال دینا چاہیئے یا اسے قید کر دینا چاہیئے۔

حضرت نوحؑ پر ارتداد کا الزام

چنانچہ حضرت نوحؑ کے متعلق قرآن کہتا ہے کہ ان کی قوم نے بھی آپ کو کہا کہ تم اپنے دین سے خود بھی پھر گئے ہو اور دوسروں کا دین بھی تبدیل کروا رہے ہو اور

قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ ○ (الشعراء: ۱۱۷)

انہوں نے بیک آواز ہو کر کہا کہ اے نوح! اگر تُو اس بات سے باز نہ آیا، اگر تُو نے ارتداد سے توبہ نہ کی اور لوگوں کو مرتد بنانے سے باز نہ آیا تو ہم یہ دیکھتے ہیں کہ تیرا انجام یہ ہوگا کہ تو ہمارے ہاتھوں سنگسار کیا جائے گا۔

اس لئے اگر آج کوئٹہ کے علماء نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ احمدی مرتد ہیں۔ ان کی مرضی کے خلاف زبردستی انہیں اسلام سے باہر قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ اس ارتداد کی سزا رجم ہے، ان کو زمین میں گاڑھ کر سنگسار کر دینا چاہیئے تو یہ کوئی نیا دعویٰ نہیں اس سے قبل حضرت نوح کے مخالفین بھی بعینہٖ یہی دعویٰ کر چکے ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ پر فتویٰ ارتداد

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارہ میں قرآن کریم میں آتا ہے:

قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا ○ (مریم: ۴۷)

ابراہیم کے باپ نے (جو بعض کے نزدیک ان کا چچا تھا مگر قرآن اسے باپ

قرار دیتا ہے) اسے کہا کہ کیا تو میرے معبودوں سے پھر چکا ہے؟ اے ابراہیم! اگر تو باز نہ آیا تو میں تجھے سنگسار کرونگا۔ اور بہتر ہے کہ سردست کچھ دیر کے لئے تو میری نظروں سے اوجھل ہوجا تا کہ میرا غضب کچھ ٹھنڈا ہوجائے۔

پھر اسی آواز کو حضرت ابراہیمؑ کے باپ کی قوم نے بھی اختیار کرلیا اور ارتداد کی سزا کا ایک اور طریقہ ایجاد کیا۔ انہوں نے کہا:

قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَ انْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ○ قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِىْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ○ۙ وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ○ (الانبیاء :٦٩ تا٧١)

جب باپ نے سنگسار کرنے کا کہا تو قوم کو توشہہ مل گئی۔ اگر باپ ارتداد کے جرم میں بیٹے کو یہ سزا دے سکتا ہے کہ اسے سنگسار کرا دے تو قوم نے تو ایک قدم آگے جانا ہی تھا۔ قرآن فرماتا ہے کہ انہوں نے یہ اعلان کیا کہ اسے زندہ آگ میں جلا دو اور اس طرح اپنے معبودوں کی مدد کرو۔ اگر کچھ کرنا ہی ہے تو یہ کر گزرو ورنہ تمہارا دین خراب ہوجائے گا۔ مگر ارتداد کی سزا قتل قرار دینے والوں کا حکم نہیں چلنا تھا۔ خدا فرماتا ہے کہ آگ پر حکم میرا چلنا تھا کیونکہ آگ میری تخلیق ہے۔ میں نے اس آگ کو حکم دیا: يٰنَارُ كُوْنِىْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ کہ اے آگ! میرے ابراہیم پر ٹھنڈی پڑ جا اور اس کے لئے امن کا ذریعہ بن جا اور سکینت کا ذریعہ بن جا۔

مقامِ عبرت

اس طرزِ کلام سے انسان کو عبرت حاصل کرنی چاہئے۔ انسان تو مٹی سے پیدا کیا گیا جو نمو کا جوہر رکھتی ہے اور شیطان کو آگ سے پیدا کیا یعنی مٹی کے برعکس جو

کچھ مٹی پیدا کرتی ہے اسے جلا کر خاکستر کر دے۔ پس انسانوں میں باہمی دشمنی پیدا کرنے والے دراصل شیطان ہی کی خصلت رکھتے ہیں۔

حضرت لوطؑ پر ارتداد کی تہمت

حضرت لوط کے متعلق بھی ان کی قوم نے یہی طرز اختیار کیا اور آپ کو بھی ارتداد کے جرم کا سزاوار قرار دیا۔

قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰلُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِيْنَ ○ قَالَ اِنِّيْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِيْنَ ○ رَبِّ نَجِّنِيْ وَاَهْلِيْ مِمَّا يَعْمَلُوْنَ ○

(الشعراء :۱۶۸تا۱۷۰)

انہوں نے ایک اور سزا تجویز کی۔ کہا اگر تو ارتداد سے باز نہ آیا تو ہم تجھے وطن سے نکال دیں گے۔ انہوں نے کہا: تم نے جو کرنا ہے کرلو۔ میں تو تمہارے عمل سے بیزار بیٹھا ہوں۔ تھک چکا ہوں تمہارے گند کو دیکھ دیکھ کر۔ تم سے مجھے رحم کی کوئی توقع نہیں نے۔ پھر معاً آپ کا ذہن خدا کی طرف منتقل ہوا اور یہ عرض کی: اے میرے رب! مجھے اور میرے اہل کو ان سب حرکتوں سے نجات بخش جو وہ کرتے ہیں۔

حضرت صالحؑ مرتد کہلائے

حضرت صالحؑ کے ساتھ بھی ان کی قوم نے یہی سلوک کیا۔ اور یہی بحث جاری تھی کہ ملت سے منہ موڑنے والے اور ارتداد اختیار کرنے والے کو کوئی سزا ملنی بھی چاہئے کہ نہیں؟

قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ○ (النمل :۵۰)

انہوں نے کہا کہ سب اللہ کے نام کی قسم کھاؤ کہ ہم سب اس پر اور اس کے گھر والوں پر رات کے وقت حملہ کریں گے اور انہیں قتل کریں گے اور جو بھی ان کے خون کی دیت کا مطالبہ کرنے کے لئے آئے گا ہم اس سے کہیں گے کہ ہم نے اس کے اہل کی ہلاکت کے واقعہ کو نہیں دیکھا اور ہم سچے ہیں۔ ہمیں کچھ پتہ نہیں۔ یعنی بعض جگہ کھلم کھلا مرتد کی سزا یہ قرار دی گئی اور بعض جگہ مخفی حملے کی صورت میں یہ سزا تجویز کی گئی ہے تاکہ جرم میں پکڑے نہ جائیں۔

پس آج اگر پاکستان میں یہ ہو رہا ہے اور علماء کہہ رہے ہیں کہ تم قانون کی زد سے بچنے کے لئے چھپ کر حملے کرو، بوڑھوں کو مارو، عورتوں کو قتل کرو، بچوں کو قتل کرو تو یہ کوئی نیا واقعہ نہیں۔ اس سے پہلے حضرت صالحؑ کے زمانہ میں بھی یہ واقعات گزر چکے ہیں۔

حضرت شعیبؑ پر تہمت ارتداد

حضرت شعیبؑ کے متعلق قرآن کریم بیان فرماتا ہے:

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ۝ قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰنَا اللّٰهُ مِنْهَا ؕ وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ؕ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ؕ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ؕ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ۝

(الاعراف: ۸۹، ۹۰)

''کہ شعیب کی قوم کے متکبر سرداروں نے کہا کہ اے شعیب! ہم ضرور تجھے

اور تجھ پر ایمان لانے والوں کو اپنی بستی سے نکال دیں گے سوائے اس کے کہ تم ہماری ملت میں واپس لوٹ آؤ۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ تو ارتداد اختیار کر جائے اور ہم تجھے بغیر سزا کے چھوڑ دیں! حضرت شعیبؑ نے کیسا ہمیشہ زندہ رہنے والا جواب دیا کہ کیا اس کے باوجود بھی تم ہم پر زبردستی کرو گے کہ تم جانتے ہو کہ ہمارے دل تمہارے دین سے متنفر ہو چکے ہیں؟ وہ جب تمہارے دین کے قائل ہی نہیں رہے تو تمہاری زبردستی ہمارے دلوں میں تمہارا دین داخل کر ہی نہیں سکتی۔

جو ترکیب نہ حضرت شعیبؑ کو معلوم تھی اور نہ آپ کی قوم کو معلوم تھی کہ زبردستی کس طرح دلوں میں دین داخل کیا جاتا ہے وہ آج کے علماء کو معلوم ہوگئی ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ زبردستی تلوار کے زور سے اگر اپنی ملت میں لوٹ آنے کا ہم مطالبہ کریں تو یہ بالکل جائز اور معقول ہے، عین اسلام اور قرآن کے مطابق ہے اور عقل کے مطابق ہے۔ ان کے اس توہم کا جواب حضرت شعیبؑ کی زبان سے سنیئے۔ فرماتے ہیں۔

قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ

کہ اگر جبر اور موت کے ڈر سے یا گھروں سے نکالے جانے کے خوف سے ہم تمہاری ملت میں لوٹ آئیں گے تو ہم اللہ پر افترا کرنے والے ہوں گے۔

تو کیا اسلام اس بات کا حکم دیتا ہے کہ جو محض مولویوں کے تصور اسلام کے قائل نہیں رہے ان سے اور بھی بڑا جرم کرواؤ؟ انہیں اللہ پر افترا کرنے والا بنا دو۔ پھر فرماتے ہیں:

''ہمارے لئے یہ ممکن ہی نہیں اور تمہارے لئے بھی یہ ممکن نہیں۔ دلوں پر صرف ایک صاحب اختیار کا اختیار ہے اور وہ خدا تعالیٰ ہے۔ جب تک ہمارا رب نہیں چاہے گا کہ ہم واپس اس خیال کی طرف لوٹ آئیں جسے چھوڑ کر ہم نکلے ہیں، اس وقت تک ہمارے قبضہ قدرت میں نہیں ہے کہ ہم وہ بات مان جائیں جو تم ہم سے منوانا چاہتے ہو۔

آج کی دنیا کے قبضہ قدرت میں وہ باتیں کیسے آ گئیں جو اس زمانہ کے نبی وقت کے قبضہ قدرت میں نہ تھیں؟ نہ اس زمانہ کے مخالفین کے قبضہ قدرت میں تھیں۔ صرف اللہ کے قبضہ قدرت میں تھیں۔ یقیناً آج بھی خدا ہی ہے جو دلوں کا مالک ہے اور اس کے تسلط کے سوا دل ہرگز بدل نہیں سکتے۔

حضرت موسیٰؑ پر فرعونیوں کا الزام

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بھی ان کی قوم اور اس وقت کے فرعون نے یہی سلوک کیا۔ چنانچہ قرآن کریم فرماتا ہے کہ نہ صرف یہی سلوک کیا بلکہ اس ظلم میں حد سے زیادہ بڑھ گئے اور نئے نئے طریق ایذا دہی کے ایجاد کئے۔ ایسی باتیں جو پہلے انبیاء کے مخالفین کے تصور میں بھی نہیں آئی تھیں وہ بھی فرعون کو سوجھیں اور ہر قسم کے مظالم اس بنا پر ان پر روا رکھے کہ وہ اس کے نزدیک اس کی قوم کو مرتد بنا رہے تھے۔ چنانچہ قرآن کریم بیان فرماتا ہے:

فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا اقْتُلُوْٓا اَبْنَآءَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ وَاسْتَحْيُوْا نِسَآءَهُمْ ؕ وَمَا كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ○ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِيْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ اَوْ اَنْ يُّظْهِرَ فِي

الْاَرْضِ الْفَسَادَ ○ وَقَالَ مُوْسٰی اِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّیْ وَرَبِّکُمْ مِّنْ کُلِّ مُتَکَبِّرٍ لَّا یُؤْمِنُ بِیَوْمِ الْحِسَابِ ○

(المؤمن : ۲۶ تا۲۸)

جب موسیٰ فرعون اور اس کی قوم کی طرف حق کے ساتھ آیا جو ہماری طرف سے اسے عطا ہوا تھا تو انہوں نے کہا کہ انہی کو ہی نہیں ان کے بیٹوں کو بھی قتل کرو۔

''اُقْتُلُوْٓا اَبْنَآءَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَہٗ'' میں ''مَعَہٗ'' جو ہے وہ ایمان سے بھی متعلق ہوسکتا ہے یعنی ان لوگوں کے بیٹے جو اس کے ساتھ ایمان لائے ہیں اور ''اُقْتُلُوْٓا'' سے بھی متعلق ہوسکتا ہے یعنی اس کے ساتھ اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ ان کی اولاد کو بھی قتل کرو۔ یہ دونوں مفہوم ثابت ہیں کیونکہ اگلی آیت بتا رہی ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے قتل کا بھی انہوں نے فیصلہ کیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے کہا کہ اسے ہی قتل نہ کرو ان کی اولادوں کو بھی قتل کردو۔ وہ بھی قتل مرتد کے حکم میں آتی ہیں۔ اور آج بعینہٖ یہ آواز پاکستان کے علماء کی طرف سے احمدیوں کے خلاف اٹھائی جا رہی ہے۔ پس تعجب کی کوئی بات نہیں کیونکہ قرآن فرماتا ہے کہ حق کے مخالفین ہمیشہ ایسی ہی تدبیریں سوچا کرتے ہیں۔

پھر کہا: وَاسْتَحْیُوْا نِسَآءَهُمْ کہ ان کی عورتوں کو زندہ رکھو یعنی ذلیل کرنے کے لئے، رسوا کرنے کے لئے۔ فرمایا: وَمَا کَیْدُ الْکٰفِرِیْنَ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ کہ کفار کی تدبیر سوائے رسوائی اور ناکام ہونے کے اور کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ گمراہی میں بھٹکنے والی ایک تدبیر ہے جس کا کوئی نتیجہ بھی نہیں نکلے گا۔ پھر بتایا کہ فرعون نے کہا ''ذَرُوْنِیْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰی وَلْیَدْعُ رَبَّہٗ'' میں موسیٰؑ کو کیوں نہ قتل کردوں وہ پھر بلاتا پھرے اپنے رب کو۔ دیکھتے ہیں کہ کس طرح اس کا رب

اسے میرے پنجے سے نکال کر لے جاتا ہے؟ کیوں میں ایسا کرتا ہوں؟ کہا: ان کا اپنا دین جو ہے جو مرضی ہوتا پھرے، مگر صرف یہ بات نہیں اس کے جرم کی۔ یہ تبلیغ کرتے ہیں اور دوسروں کا دین بھی بدلتے پھر رہے ہیں اور یہ ایک ایسا جرم ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ یہ اس طرح زمین میں فساد بر پا کرتے ہیں۔

پاکستانی حکومت کی دلیل

چنانچہ حکومت پاکستان نے جماعت احمدیہ کے خلاف جو مبیّنہ قرطاسِ اَبیض شائع کیا ہے، اس میں یہی دلیل دی ہے۔حکومت پاکستان کا لکھنے والا باہر کے ملکوں کو لکھتا ہے کہ آپ کو اندازہ نہیں کہ ہم کیوں ان کی مخالفت کرتے ہیں۔ان کا اپنا دین جو ہے ہوتا پھرے لیکن یہ دوسروں کو بھی تبلیغ کرتے ہیں اور ہماری زمین میں فساد بر پا کر رہے ہیں کونسی حکومت ہے جو اس فساد کو برداشت کر سکے؟

انہیں کہنا چاہیئے تھا کہ قرآن پڑھ کر دیکھ لو، فرعون نے بھی برداشت نہیں کیا تھا، میں کیسے برداشت کر سکتا ہوں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا الہام

ذَرُوْنِیْ اَقْتُلْ مُوْسٰی وَلْیَدْعُ رَبَّہٗ کا الہام حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بھی ہوا۔اور اس دور میں اس عاجز کے متعلق بھی انہی الفاظ میں ہو چکا ہے۔

پاکستان کے علماء نے بار بار اصرار کیا اور قرائن بتا رہے ہیں کہ پاکستان کے آمر نے حامی بھی بھر لی تھی کہ اس کے خلاف ایک سازش کرتے ہیں جس طرح موسیٰؑ کے خلاف قتل کا ایک مقدمہ بنا تھا، اسے قتل کرتے ہیں۔ اگر اسے قتل کرو گے تو (نعوذ باللہ) گویا رگِ احمدیت کاٹی جائے گی۔ کیونکہ یہ بہت شرارت کر رہا ہے۔

نہایت فسادی شخص ہے۔تبلیغ پر جماعت کو آمادہ کر رہا ہے۔ کہہ رہا ہے کہ بڑی تیزی کے ساتھ پھیل جاؤ اور بڑی تیزی کے ساتھ دنیا کو خدا کا پیغام دو۔ ''**داعیین الی اللّٰہ**'' کی تحریک کر دی ہے۔ یہاں تک لکھا ہوا ہے کہ پہلے خلفاء کچھ شریف تھے۔ یہ تو بڑا خبیث اور شریر آدمی ہے۔ یہ تو تیز کر رہا ہے جماعت کو۔ہم کیسے برداشت کر سکتے ہیں۔

میرا جواب

پس میں ان لوگوں کو قرآن کی زبان میں وہی جواب دیتا ہوں جو اس وقت کے نبی نے دیا تھا (اور میں نبیوں کی خاکِ پا کے برابر بھی اپنے آپ کو نہیں سمجھتا، مگر سنت نبویہ کی پیروی ضروری سمجھتا ہوں) میں حضرت موسیٰ کے قول سے سند لیتے ہوئے قرآن کی آواز میں انہیں مخاطب کر کے یہی کہتا ہوں۔:

اِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّیْ وَ رَبِّکُمْ مِّنْ کُلِّ مُتَکَبِّرٍ لَّا یُؤْمِنُ بِیَوْمِ الْحِسَابِ

خدا کی قسم! میں تم سے اور تمہارے جیسے شریروں سے اپنے رب کی پناہ میں آتا ہوں۔ ہر اس متکبر سے جو یوم حساب پر یقین نہیں رکھتا ورنہ وہ ایسی ذلیل حرکتیں نہ کرتا۔

اس طرح قرآن کریم مسلسل کئی آیات میں اس مضمون کو بڑھاتا چلا جا رہا ہے۔آیات بہت کثرت سے ہیں مگر اب میں مضمون کے آخری حصے کی طرف آتا ہوں۔

سیّد الانبیاء پر ارتداد کا الزام

سب سے بڑھ کر، سب سے برتر، سب سے اعلیٰ، سب سے افضل، سب سے احسن ہمارے آقا و مولی حضرت اقدس محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھے، جو سب نبیوں

کے سردار تھے۔ یہی ہم سب مسلمانوں کا عقیدہ ہے اور یہی قرآن سے ثابت ہے اور یہی سنت سے ثابت ہے۔ صرف دعویٰ نہیں بلکہ ہم اس کی دلیل رکھتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی یہی الزام لگا اور بعینہٖ اسی طرح آپ کو قوم کی طرف سے مخاطب کیا گیا اور کہا گیا کہ تو اپنے دین سے پھر گیا ہے اور اس کی لازماً سزا ملنی چاہیئے۔ نہ صرف خود پھر گیا بلکہ دوسروں کو بھی اپنے دین سے پھرا رہا ہے۔ تیرا پھرنا تو کسی حد تک برداشت ہوسکتا تھا، مگر یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم یہ برداشت کرتے چلے جائیں کہ تو مسلسل اپنے دین کی تبلیغ کرتا رہے اور دوسروں کو بھی اپنا ہم خیال بناتا رہے؟ ان کے نزدیک دنیا کی کوئی مہذب قوم اس کی اجازت نہیں دے سکتی تھی، جیسا کہ آج پاکستان کی مہذب قوم کا خیال ہے۔ قوم کے جابر سربراہوں کا کہنا چاہیئے کیونکہ قوم تو بڑی حد تک اس سے بری الذمہ ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خبر دی کہ اے محمدؐ! تیرے متعلق بھی وہ جو کچھ ارادے رکھتے ہیں وہ میں تجھے بتاتا ہوں۔

وَ اِذۡ یَمۡکُرُ بِکَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لِیُثۡبِتُوۡکَ اَوۡ یَقۡتُلُوۡکَ اَوۡ یُخۡرِجُوۡکَ ؕ وَ یَمۡکُرُوۡنَ وَ یَمۡکُرُ اللّٰہُ ؕ وَ اللّٰہُ خَیۡرُ الۡمٰکِرِیۡنَ ○

(الانفال: ۳۱)

ایک وہ وقت بھی تو تھا جب کہ یہ کفار تیرے خلاف طرح طرح کے مکر کر رہے تھے اور ان مکروں میں یہ بات بھی شامل تھی کہ یا تو تجھے قید کر دیں یا تجھے قتل کر دیں یا تجھے اپنی بستی سے نکال دیں۔

گویا انبیاء کے دشمنوں نے جو تدبیریں سوچی تھیں وہ ساری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں نے بھی سوچیں اور آپ کے خلاف ان کو استعمال کرنے

کا پورا نہ صرف فیصلہ کیا بلکہ پوری کوششیں شروع کر دیں۔ پھر فرمایا:

وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ

کہ انہوں نے بھی تدبیریں کیں اور خدا بھی تدبیر کر رہا تھا اور اللہ تعالیٰ ہی سب تدبیر کرنے والوں سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔

شرم تم کو مگر نہیں آتی

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآن کریم جس تاریخ کو محفوظ فرما چکا ہے اور جسے مختلف رنگ میں بار بار اور بڑی وضاحت کے ساتھ ہمارے سامنے پیش کرتا ہے اور حضرت نوحؑ کا نام لے کر پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک جملہ انبیاء کا نام لے کر بلا استثناء اور مسلسل یہ بحث ہمیں بتاتا چلا جا رہا ہے کہ انبیاء کے مخالفین اس عقیدے پر متفق تھے۔ ہر وقت کے نبی کا مخالف ہر دوسرے وقت کے نبی کے مخالف کے ساتھ یہ اتفاق و اجماع رکھتا تھا کہ مرتد کی سزا ضرور ہونی چاہئے، خواہ اسے قید کرو یا گھروں سے نکال دو۔ (یہ تینوں قسم کی سزائیں علماء اسلام بھی آج کل بتا رہے ہیں۔) لیکن سزا ضرور دو۔ خصوصاً اس مرتد کو توقتل کرنا لازم ہو جاتا ہے جو اپنے دین کی دوسروں کو تبلیغ بھی شروع کر دے۔۔ اور اس ساری تاریخ میں اللہ تعالیٰ مسلسل ہمیں بتا تا چلا جا رہا ہے کہ وہ لوگ جھوٹے اور ظالم تھے جو قتل یا کوئی اور سزا ارتداد کی تجویز کیا کرتے تھے۔ وہ دین میں جبر کے خواہاں تھے اور اسی کا ادّعا کیا کرتے تھے۔ اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سمیت تمام انبیاء نے بلا استثناء ان کے ان دعاوی کو رد کیا۔ نامراد قرار دیا اور جھوٹا اور ذلیل قرار دیا اور مذہب کی آزادی کا اعلان کیا۔ انسانی ضمیر کی آزادی کا اعلان کیا۔

اس تمام اجماع کے بعد (نعوذ باللہ من ذالک) ان علماء کے نزدیک یہ کیسا واقعہ ہو گیا کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اچانک اپنا موقف تبدیل فرما لیا اور انبیاء کے پاک زمرے سے ہٹ کر نعوذ باللہ من ذالک ان دشمنوں کے زمرے میں جا کھڑے ہوئے۔ میرا تصور اس خیال پر لعنت ڈالتا ہے۔ حیرت ہے کہ آج کے علماء رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا دعوی کرتے ہوئے یہ ادّعا کیسے کر سکتے ہیں؟ کیوں ان کو حیا نہیں آتی؟ کیوں شرم سے زمین میں گڑ نہیں جاتے؟ کیسے جرأت ہوتی ہے ان کی زبانوں کو کہ ایسا دعویٰ کریں جبکہ تمام انبیاء بالا جماع، مسلسل ایک دوسرے کے بعد، بلا استثناء مرتد کی سزا قتل کے عقیدے کو رد کرتے رہے اور خدا ہر مرتبہ یہ گواہی دیتا رہا کہ یہ رسول سچے تھے جو کہتے تھے کہ دین میں کوئی جبر نہیں اور دین میں جبر کو راہ دینے اور ارتداد کی سزا تجویز کرنے والے سارے جھوٹے اور لعنتی تھے اور سب کو خدا نے مٹا دیا اور ملیا میٹ کر دیا؟

چھوڑو باقی دلیلوں کو اتنا تو سوچو کہ ہمارے آقا اور مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو تم کس زمرے میں گھسیٹنے کی کوشش کر رہے ہو۔ ہرگز ایسا نہیں ہو گا، ہرگز خدا تمہیں اس کی اجازت نہیں دے گا۔ یہ عقیدہ مرنے کا عقیدہ ہے اور مر کر رہے گا۔ اس راہ میں احمدیوں کو جان دینی پڑے تو وہ جان دیں گے لیکن محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر لگائے ہوئے داغوں کو دھوئیں گے خواہ اپنے خون سے ان داغوں کو دھونا پڑے۔

زمانہ بدل چکا ہے

اس پر مستزاد یہ ہے کہ اب تو ایک اور وقت آ چکا ہے۔ ہم کسی اور زمانے میں نکل آئے ہیں۔ وہ تمام انبیاء جن کے متعلق قرآن فرماتا ہے کہ ان کے مخالفین نے ارتداد کی سزائیں تجویز کی تھیں۔ وہ سارے مخالفین اب اس عقیدے سے توبہ کر بیٹھے ہیں۔ وہ سارے مخالفین اجتماعی صورت میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل پر ابھرے تو انہوں نے اپنی تاریخوں کو بھلا کر خود یہ عقیدہ اختیار کر لیا تھا اور ان سب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف یہ دعویٰ کر کے کہ ارتداد کی سزا قتل ہے یا قید ہے یا بستی سے نکال دینا ہے گویا یہ اعلان کیا تھا کہ ہمارے نبیوں کا دین جھوٹا تھا ہم ان کی طرف منسوب ہونے کے باوجود یہ اعلان کرتے ہیں کہ یہ بات سچی ہے۔ یا دوسرے لفظوں میں وہ یہ سمجھتے تھے (جس طرح آج کے علماء سمجھتے ہیں) کہ ان انبیاء کی یہی تعلیم تھی۔ ان کے دین کی یہی تعلیم تھی اس لئے انہیں یہی کرنا چاہئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں دنیا میں جتنے دین تھے اگر ان سب کا اجتماعی فیصلہ یہ بھی تھا کہ مرتد کی سزا قتل ہے یا قید ہے یا بستی سے نکال دینا ہے تو اب تو زمانے کے رنگ بدل چکے ہیں۔ اب تو یہودی بھی یہی کہتے ہیں کہ مرتد کی سزا قتل نہیں ہے۔ یہ ظلم ہے انسانیت کے نام پر۔ یہ داغ ہے مذہب کے نام پر۔ آج تو عیسائی بھی یہی کہتے ہیں کہ عیسائیوں کو بے دریغ قتل کیا ہے تو بہت ظلم کیا ہے اور اس تاریخ کو دیکھ کر ہم شرمندہ ہیں۔ ہمارے سر جھک جاتے ہیں جب ہم سپین کی انکویزیشن (INQUISITION) کی تاریخ کے واقعات پڑھتے ہیں یا انگلستان میں ارتداد کے جرم میں سزائیں دینے کی تاریخ پڑھتے ہیں، توبہ کر چکے ہیں۔ آج

بدھ بھی توبہ کر چکے ہیں۔ آج جین بھی توبہ کر چکے ہیں۔ آج ہر قسم کے مشرکین، اپنی مسٹ بھی توبہ کر چکے ہیں۔ آج منوسمرتی کے ماننے والے جو کل تک یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ اپنے دین سے پھرنے والے پر ہر قسم کے ظلم کرو اور جو شودر کلام الٰہی کو سن لیں ان کے کانوں میں سکہ پگھلا کر ڈالو وہ بھی توبہ کر چکے ہیں۔ یہ کیسا منظر الٹا ہے کہ آج قتل مرتد کا دعویٰ کرنے والوں میں سوائے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہونے والوں کے اور کوئی اس میدان میں نہیں ملتا۔ اس سے زیادہ دردناک منظر بھی کوئی سوچا جا سکتا ہے؟

سنبھلو کہ تم بہک رہے ہو

جہالت کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ یہ بات تو جہالت کی ساری حدیں پھلانگ چکی ہے۔ مجھے تو اس بات پر جب شدت سے جذبات پیدا ہوتے ہیں تو جہاں غصہ بھی آتا ہے وہاں دکھ بھی بے انتہا ہوتا ہے، اور جہالت کی حد ایسی ہے کہ بعض دفعہ ہنسی بھی آتی ہے کہ انہیں ہو کیا گیا ہے؟ ان کی عقلیں کہاں بھٹک رہی ہیں؟ کیا گھاس چر رہی ہیں؟ پتہ ہی نہیں کہ کیا کر رہے ہیں۔ اپنے دین پر، سیّد ولدِ آدم پر کیا ظلم کر رہے ہیں؟ اور زمانے کے سامنے کیا تصویر پیش کر رہے ہیں؟

مجھے تو اس پر وہ لطیفہ یاد آ جاتا ہے جو کہتے ہیں کہ انگلینڈ میں کوئی نیوڈز (Nude's) کلب تھی۔ (نیوڈز کلب کا رواج آجکل عام ہے۔ بعض لوگ ایک کلب میں سارے ننگے ہوتے ہیں) انہوں نے آکسفورڈ یونیورسٹی کے ایک پروفیسر کو دعوت دی کہ ایک دن ہمارے ساتھ گزاریں۔ وہ صاحب سوٹڈ بوٹڈ پوری طرح تیار ہو کر تشریف لائے۔ لنچ پر یہ منظر دیکھا کہ سارے ننگے بیٹھے ہوئے تھے اور وہ

بیچارے اکیلے سوٹ پہن کر بیٹھے ہوئے تھے۔

شام کو ان کی تقریر بھی تھی۔ ان کو خیال آیا کہ یہ تو بڑا ظلم ہے۔ روم میں اسی طرح کرنا چاہیئے جیسے رومن کیا کرتے ہیں۔ مجھے کون دیکھے گا۔ ننگے ہی دیکھیں گے نا۔ کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ایک دن میں ان کی خاطر سوٹ اتار دیتا ہوں۔

ادھر ننگوں کو خیال آیا کہ آخر ہمارا مہمان ہے کوئی عزت افزائی ہونی چاہیئے۔ ایک دن اس کی خاطر ہم کپڑے پہن لیں تو کیا حرج ہے؟ پس شام کو اس جگہ کے زمین و آسمان نے ایک مختلف نظارہ دیکھا۔ سارے ننگے کلب کے ممبر کپڑے پہن کر آئے ہوئے تھے۔ وہ پروفیسر بیچارہ اکیلا ننگا تھا۔

پس خدا کی قسم! آج کی اس دنیا میں تاریخ کے سارے ننگوں نے کپڑے پہن لئے ہیں۔ اگر ننگا ہے تو صرف ملّاں ننگا ہے۔ اگر ننگا ہے تو صرف ملّاں ننگا ہے۔

دعاءِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ

اب میں اس تقریر کو ختم کرنا چاہتا ہوں۔ خدا کرے کہ کچھ کان ایسے بھی ہوں جو سننے والے ہوں۔ کچھ دل ایسے بھی ہوں جن پر ہدایت کی بات اثر رکھتی ہو۔ کوئی مانے یا نہ مانے، میرا اور آپ کا مقام تو وہی رہے گا جو ہمارے آقا و مولا حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام تھا اور اسی سنت سے ہم چمٹے رہیں گے جو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت تھی۔

فَذَكِّرْ ۗ إِنَّمَآ أَنْتَ مُذَكِّرٌ ۝ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ۝

(الغاشية: ۲۲،۲۳)

ہم آج کی دنیا کے زخم دھونے کے لئے تو آئے ہیں۔ ہم آج کی دنیا کی

کجیاں دور کرنے کی کوشش تو ضرور کریں گے، نصیحت کے ذریعے، دلیل کے ذریعہ، پیار محبت سے سمجھا کر، لیکن ہم داروغہ نہیں ہیں۔ اگر کوئی نہیں مانتا تو اسے اختیار ہے چاہے تو انکار کردے۔

فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ (الکھف:۳۰)

ہمارا کام صرف پیغام پہنچانا ہے۔ لیکن اس پیغام کے ساتھ ہمیں دعا بھی کرنی چاہئے کیونکہ دعا کا ہتھیار سب سے بڑا ہتھیار ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں کے ایسے ایسے معجزے جزیرہ نما عرب نے دیکھے تھے کہ حیرت سے آج دنیا ان کو تکتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جزیرہ نما عرب میں جو عظیم انقلاب چند سالوں کے اندر اندر واقع ہوا وہ دلیل سے بڑھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں کے نتیجہ میں واقعہ ہوا تھا۔

ایک حدیث میں آپ نے ایک بات سنی اور ہوسکتا ہے آپ کی توجہ اس طرف نہ گئی ہو کہ وہ علاقے جو مرتد ہوئے تھے ان میں طائف شامل نہیں ہوا، مدینے اور مکے کے علاوہ کہ وہ آپ کی اپنی تربیت سے فیضیاب تھے۔ طائف کی بستی اس لئے ارتداد میں شامل نہیں ہوئی تھی کہ یہ بستی خالصتاً آپ کی دعاؤں کے نتیجہ میں مسلمان ہوئی تھی۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر طائف میں ظلم کئے گئے۔ آپ پر پتھراؤ کیا گیا۔ جب خدا کے فرشتے نازل ہوئے اور انہوں نے آپ سے پیشکش کی کہ چاہو تو ہم اس بستی کو تباہ کردیتے ہیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تباہی کی بجائے اس کی ہدایت کی دعا کی تھی۔

دیکھو! میرے آقا و مولا کی ہدایت کی دعا کو۔ دیکھو تو سہی کس شان کی دعا تھی؟ کہ جب عرب کے لوگ کثرت سے ارتداد اختیار کر رہے تھے تو یہ سب بستیوں

سے ظالم بستی اس وقت بھی اس دعا کے نتیجہ میں ہدایت پر قائم رہی۔

پس امر واقعہ یہ ہے کہ یہ درست ہے کہ باقی عرب اور باقی دنیا میں بھی اسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں کے طفیل ہی پھیلا ہے مگر جہاں دعائیں مرکوز ہو جائیں جہاں نگاہ کے سامنے ایک چہرہ نظر آ جائے اور اسے سامنے رکھ کر دعا کی جائے وہ دعا اور طرح کے رنگ دکھاتی ہے اور طرح کے اثر دکھاتی ہے۔ ورنہ عمومی دعا تو ہر ایک کے لئے انسان کرتا ہی ہے۔ کیوں نظر میں آ جاتا ہے؟ کیوں نظر کے سامنے آ کر چاہتا ہے کہ میں کسی بزرگ سے دعا کرواؤں؟ پس وہ بستی اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں اس طرح جمی ہوئی تھی اور درد کا ایک ایسا خاص وقت تھا کہ اس دعا نے طائف کی بستی کے حق میں وہ جوہر دکھائے کہ جن سے بعض دوسرے بدقسمت علاقے محروم رہ گئے۔

پس دعائیں کرو۔ پاکستان کے لئے بھی دعائیں کرو کیونکہ سب سے زیادہ محبت ہمیں پاکستان سے صرف اس لئے نہیں کہ وہ ہمارا یعنی پاکستان سے آنے والوں کا وطن ہے بلکہ جیسا کہ میں نے بارہا توجہ دلائی ہے یہ ایک ایسا ملک ہے جو خالصۃً اسلام کے نام پر لیا گیا اور آج اسے خالصۃً اسلام کی بیخ کنی کے لئے استعمال کیا جا رہا ہے۔ یہ ایک ہی ملک ہے ساری دنیا میں جو کلمے کے نام پر وجود میں آیا تھا اور یہ ایک ہی بدبخت ملک ہے جو کلمے کو مٹانے کے درپے ہے۔ یہاں سازشیں چل رہی ہیں عالم اسلام کے خلاف، یہاں ہر وہ حرکت کی جا رہی ہے جو ساری دنیا میں اسلام کو بدنام کر دے۔ پس چونکہ آغاز میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور خدا کے نام پر یہ ملک جیتا گیا اس لئے ہماری وہ محبت بہرحال قائم رہے گی۔ اس ملک کے برعکس استعمال پر ہمارا دل لازماً زیادہ کڑھے گا۔ عام صحت مند بچوں سے

بھی پیار ہوتا ہے مگر جب کوئی بچہ بیمار ہو جائے تو پیار بڑھ جایا کرتا ہے، کم تو نہیں ہو جایا کرتا۔ اس بچے کی بات آپ کو یاد نہیں جسے خیال آیا تھا کہ میری ماں مجھ سے شاید پیار کم کرنے لگی ہے۔ چنانچہ ایک کرسی پر کھڑے ہو کر اس نے اس طرح اپنا زاویہ بدلا کہ اس کا بیلنس بگڑ گیا اور وہ جان بوجھ کر زمین پر گر گیا۔ ماں دوڑ کر آئی اور کہا: بیٹا! کیا بات ہوئی؟ اس نے کہا: کچھ بھی نہیں۔ میں تو صرف یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ آپ کو مجھ سے پیار ہے بھی کہ نہیں۔

پس اے پاکستان، عزیز وطن! خدا کی قسم ہمیں تجھ سے پیار ہے۔ تو ظلموں میں بڑھ رہا ہے تو یہ پیار اور بھی بڑھ گیا ہے تاکہ تجھے ہلاکت سے بچا لے۔ اور وہ سارے احمدی بھی جن تک تیری سرزمین میں پیدا ہونے والوں نے پیغام حق پہنچایا تھا، وہ بھی تیرے ممنون احسان رہیں گے، اس لئے وہ بھی تیرے لئے دعا کرتے رہیں گے۔

پس سب سے بڑھ کر پاکستان کو دعاؤں میں یاد رکھیں اور پھر سارے عالم اسلام کو بھی جس کے خلاف شدید عالمی سازشیں پنپ رہی ہیں، اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔ سارے بنی نوع انسان کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔ پاکستانی احمدیوں کو جو طرح طرح کے مصائب اور دکھ جھیل رہے ہیں ان کو بھی اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔ اور جنہوں نے قید و بند کی صعوبتیں نہیں بھی اٹھائیں وہ بھی انتہائی کرب کی حالت میں زندگی گزار رہے ہیں۔ ایسا شدید ظلم ان پر ہو رہا ہے اور اس طرح ان کے بنیادی حق چھینے گئے ہیں کہ ان کی زندگی بے چین اور بے قرار ہو چکی ہے۔ نہ ان کے دن کا چین رہا ہے، نہ ان کی راتوں کا چین رہا ہے۔ ان سب کے لئے بھی دعائیں کریں۔ پھر یہاں کے مقامی باشندوں کے لئے جنہوں نے جلسہ پر آنے والوں کی مہمان نوازی

کی ہے، ان کے لئے بھی دعائیں کریں۔ان کے لئے بھی دعائیں کریں جو شامل ہوئے اور ان کے لئے بھی جو شامل نہیں ہو سکے خصوصاً انہیں بھی یاد رکھیں جو شامل ہونے کے لئے آ رہے تھے مگر کراچی میں قید کر لیے گئے، اس جرم میں کہ انہوں نے اپنے ساتھ کچھ دینی کتب اٹھائی ہوئی تھیں۔ان سب کے لئے دعا کریں۔

پھر بنی نوع انسان کی عمومی بہبود کے لئے دعائیں کریں۔جنگیں بڑی بلا ہوتی ہیں اور جتنا زیادہ انسان ترقی کرتا چلا جائے اتنی ہی زیادہ اس کی جنگیں بھیانک ہوتی چلی جاتی ہیں۔تہذیب کے کوئی تقاضے پھر جنگ میں ظلم اور سفاکی سے اس انسان کو نہیں روک سکتے جس کی تہذیب سطحی ہو اور اس کی گہری بنیاد انسانیت اور مذہب میں نہ ہو۔ ہم بار بار یہ نظارہ دیکھ چکے ہیں کہ نہایت مہذب کہلانے والی قوموں نے بھی جنگ کے دوران انتہائی سفاکی اور ظلم کا ثبوت دیا ہے۔ عیسائی نے عیسائی کے خلاف انتہائی ظلم کئے ہیں، یہاں تک کہ اشتراکی نے اشتراکی کے خلاف انتہائی ظلم کئے ہیں۔ان کی تہذیبیں سطحی تھیں۔ بظاہر نظر آنے والی ایک ملمع کاری تھی۔ گہری انسانیت موجود نہیں تھی۔ مذہب کی پوری حقیقت سے یہ لوگ آشنا نہیں تھے۔آج اس سے بھی بدتر حال ہو چکا ہے۔پس کل کی جنگ گزرے ہوئے کل کی جنگ سے زیادہ بھیانک اور زیادہ شدید اور زیادہ خطرناک ہوگی۔اس لئے یہ دعائیں بھی کریں کہ اللہ تعالیٰ اس بلا کو ٹال دے اور ان کجیوں کو دور فرمائے جو بالآخر جنگ پر منتج ہو جایا کرتی ہیں۔

غریبوں کے لئے دعا کریں۔ مفلوک الحالوں کے لئے دعا کریں۔ بیواؤں کیلئے دعا کریں۔یتیموں کے لئے دعا کریں۔ ہر قسم کے دکھ اٹھانے والے فاقہ زدوں کے لئے دعا کریں۔غریب ملکوں کے لئے دعا کریں۔سود کی چکی میں پسے جانے

والے ملکوں اور افراد کے لئے دعا کریں۔ بنی نوع انسان کی عمومی بہبود کو بھی یاد رکھیں۔

یہ سب دعائیں جو آپ کریں گے اللہ کے فضل کے ساتھ آپ کے حق میں دعائیں بن کر، آپ پر رحمتیں بن کر نازل ہوں گی۔

1984ء سے 2010ء تک
جماعتی مقدمات کی تفصیل

1	احمدیہ بیوت الذکر جو مسمار کی گئیں	30
2	احمدیہ بیوت الذکر جو جلائی گئیں	12
3	احمدیہ بیوت الذکر جو سیل کی گئیں	28
4	ایسی بیوت الذکر جن کے باہر یا اندر سے کلمہ مٹایا گیا	85
5	بے گناہ احمدی شہید کئے گئے	203افراد
6	قید کی سزا پانے والے	224افراد
7	اپنا مذہب اسلام قرار دینے پر مقدمات	434افراد
8	قرآنی آیات، کلمہ لکھنے یا اس کا بیج لکھانے پر مقدمات	764افراد
9	اذان دینے کے جرم میں مقدمات	38افراد
10	اسلامی طرز پر نماز ادا کرنے پر مقدمات	93افراد
11	تبلیغ اور دعوت الی اللہ پر مقدمات	724 افراد
12	اسلام، رسول ﷺ اور قرآن سے محبت کے اظہار پر مقدمات	161افراد
13	دیگر متفرق مقدمات	981افراد

مراجع ومصادر

* قرآن کریم
* تفسیر روح البیان، اسماعیل حقی البروسوی
* معارف القرآن، مولوی محمد شفیع۔سابق مفتی پاکستان
* ضیاء القرآن، پیر محمد کرم شاہ
* ترجمان القرآن، مولانا ابوالکلام آزاد
* المفردات للراغب الاصفہانی
* صحاح ستہ
* سنن الدارقطنی
* کنز العمال، العلامہ علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین الھندی
* نیل الاوطار فی شرح منتقی الاخبار من حدیث سید الاخیار، الامام محمد بن علی الشوکانی
* التعلیق المغنی علی الدارقطنی، شمس الدین عظیم آبادی
* عمدۃُ القاری شرح صحیح البخاری علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی۔
* الرفع التکمیل
* میزان الاعتدال فی نقد الرجال، محمد بن احمد بن عثمان الذہبی
* الضعفاء الکبیر، ابو جعفر محمد بن عمر بن موسیٰ بن حماد المکی

* تہذیب التہذیب، امام حافظ شہاب الدین احمد بن حجر العسقلانی
* کتاب مقدس (عہد نامہ قدیم وجدید)
* المبسوط، علامہ شمس الدین السرخسی
* الہدایہ شرح بدایہ المبتدیں علی بن ابوبکر المرغینانی
* شرح فتح القدیر علی الہدانہ، امام کمال الدین محمد بن عبدالواحد
* السیرة النبویة، ابو محمد عبدالملک بن ہشام
* تاریخ ابن خلدون ۔ عبدالرحمان بن محمد بن خلدون المغربی
* تاریخ الطبری، محمد بن جریر الطبری
* الائمہ الاربعہ، ڈاکٹر مصطفیٰ الشلعہ
* تاریخ الخمیس، حسن بن محمد الدیاربکری
* سیرت محمد علی، رئیس احمد جعفری
* لسان العرب
* تاج العروس
* المعجم الوسیط
* الاسلام ۔ عقیدہ وشریعہ، العلامہ محمود الشلتوت، شیخ الازھر
* حقیقة الحکم بما انزل اللّٰہ ۔ محمد محمود زغلف ۔ ڈاکٹر علاؤالدین زیدان عبدالمنعم یحیٰ کامل
* رپورٹ تحقیقاتی عدالت برائے تحقیقات فسادات پنجاب ۱۹۵۳ء، مسٹر جسٹس محمد منیر اور مسٹر جسٹس ایم ۔ آر ۔ کیانی

* محاسبہ، تبصرہ بر رپورٹ تحقیقاتی عدالت برائے تحقیقات فسادات پنجاب مرتضٰی احمد خان درّانی
* مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی
* مجلّہ الشہاب لرجم الخاطف المرتاب، مولوی شبیر احمد عثمانی۔
مرتد کی سزا اسلامی قانون میں۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی۔
* روئیداد جماعت اسلامی۔ مکتبہ جماعت اسلامی
* داستان اسلام۔ شیخ محمد اقبال ایم اے
* اسلام کا نظام حیات، غلام احمد حریری
* نقطہ پرکار حیات، غلام احمد پرویز
* اعظم الکلام فی ارتقاء الاسلام۔ نواب احمد یار جنگ چراغ علی
* اسلام اور مسیحیت۔ مولوی ثناء اللہ امرتسری
* قتل مرتد کی شرعی حیثیت۔ رحمت اللہ طارق
* PUNISHMENT OF APOSTASY IN ISLAM
جسٹس ایس۔ اے رحمان
* قادیانیوں کے بارہ میں وفاقی شرعی عدالت کا فیصلہ (اردو ترجمہ) محمد بشیر ایم۔ اے، ناشر: دارالعلم (اسلام آباد) طبع اول ۱۹۸۵، شرکت پرنٹنگ پریس لاہور
* درخواست فارم برائے رجسٹریشن، حکومت پاکستان ڈائریکٹوریٹ جنرل آف رجسٹریشن۔